۷۸۶

نفیرِ فطرت

احسان دانش

مکتبۂ دانش کاندھلہ ضلع مظفر نگر (یو-پی)

نفیرِ فطرت!

یعنی

احسان دانش ناظم جامعہ تعمیرِ ادب مزنگ لاہور

کا

مجموعۂ کلام

مکتبۂ دانش - کاندھلہ ضلع مظفر نگر (یو-پی)

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے عہ

مجلّد دو روپے عمہ

انتباہ

کوئی فرد یا ادارہ نشر و انتخاب اور ترجمہ و شرح کا مجاز نہیں!

ادارۂ نشر

نذر

اُردو ادب کے محسن

جناب سر تیج بہادر سپرو مدظلہٗ

کی خدمت میں!

احسان دانش

ترتیب عنوانات

پیشرس

(از قلم توقیر طاہر گنگوہی)

احسانؔ کی نظموں کے چار مجموعے "نوائے کارگر"، "چراغاں"۔ "آتشِ خاموش" اور "جادۂ نو" میرے ہاتھوں مرتب ہو کر شائع ہو چکے ہیں جن میں صرف وہ نظمیں ہیں جنہیں اس کی شاعری کا دوسرا دور کہئے تو موزوں ہوگا۔ اور اب پانچویں مجموعہ میں جسے "نفیرِ فطرت" کے نام سے پیش کر رہا ہوں تازہ ترین نظموں اور غزلوں کے علاوہ وہ کلام بھی شامل ہے جو "دردِ زندگی" اور "حدیثِ ادب" کی بے ہنگام اشاعت کے باعث شاعر کی نظرِ ثانی کا محتاج تھا۔ اب قطعات کا ایک مجموعہ "زخم و مرہم" باقی ہے جو ہنوز ترتیبی لحاظ سے تشنۂ تکمیل ہے۔

احسانؔ ایک مرکز پر دیر تک غور کرنے کا تو عادی نہیں مگر اس کی پہلی نظر ہی

ایسی کارگر پڑتی ہے کہ فولاد اور پتھر کے رگ و ریشے بھی نہیں بچ سکتے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے ایک ہی نشست میں کہتا ہے اس کی جتنی بھی طویل طویل نظمیں ہیں وہ سب کی سب ایک ایک نشست کا نتیجہ ہیں اور آپ اس کے کلام میں جس قدر نا تمام نظمیں پائیں گے وہ ایسے ہی حادثات کا شکار ہیں کہ نظم کہتے وقت کوئی صاحب تشریف لے آئے اور گفتگو شروع ہو گئی یا پھر کہیں اُٹھ کر چل دیئے اور نظم جس منزل میں تھی وہیں کی وہیں رہ گئی اسی لئے احسان نے نظرِ ثانی تو کُجا سماعتِ ثانی کی تکلیف بھی گوارا نہیں کی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ میں کبھی کبھی ایک ایک دو دو غزلیں سناتا رہا اور اس طرح معمولی ردّ و بدل ہوتی رہی۔

یوں تو ہر شاعر کے کلام کو مرتّب کرنے کے لئے بڑی دقّتِ نظر، کاوشِ جگر، اور ضبط کوشی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن احسان کے کلام کو مرتّب کرنا تو بقول کسے جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ احسان کی اپنے کلام سے بے پروائی اور شاعرانہ بے نیازی سے مجھے جن مشکلات کا سامنا ہوا ہے اس کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ ان مجموعوں میں اکثر ایسی گمشدہ نظمیں اور غزلیں شامل ہیں جن کو ملک کے

ادبی رسائل کے دفاتر سے اُن کی پرانی فائلوں کی بسیار اوراق گردانی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ میں نے اس میں اپنے اس فرض کو محسوس کیا جو ایک حقیقی شاعر کی حقیقی دوستی کے بعد مجھ پر عائد ہوتا تھا۔ میں احسان کے کلام کو اس کے جگر پارے سمجھ کر اس بات کی سرگرم کوشش کرتا رہا کہ ان کی حفاظت کا خاطر خواہ جتن کروں۔ الحمدللہ کہ میں اپنے اہم فرض سے سبکدوش ہو کر ایک لافانی فخر محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے اس کی فکر نہیں کہ ترتیب ادبی معیار سے کیسی ہے کیونکہ احسان کے کلام کی بلند پائیگی پر ترتیبی آرائشوں کے نقائص اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

اس مجموعہ میں احسان کی دَورِ اوّل کی شاعری کے مُطالعہ سے آپ محسوس کریں گے کہ ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

اگر آج احسان فطرت نگاری، غم نویسی اور باریک بینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تو یہ کوئی

اس کے اکتسابِ فن یا علمی قابلیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ اوّل ہی سے فطرت نے اُسے دردمند اور حساس دل کے ساتھ باریک بیں اور خوردہ گیر نظر عطا کر کے ایسے صبر آزما اور ہمّت شکن ماحول میں سے گذارا ہے جس کی ہلکی سی آنچ بھی کیمیا کا حکم رکھتی ہے۔

تائیدِ غیبی کے لوازمات، حسّاس فطرت، جزرس نظر، روشن دل اور صیقل گر ماحول ہی ہوا کرتے ہیں اس پر بھی احسان اگر اپنی طرز کا واحد شاعر نہ ہوتا تو پھر فضائے عالم میں صبح کے لئے شام کی تاریکی۔ دن کے لئے رات کا اندھیرا اور سردی کے لئے گرمی کی شدّت کوئی دلالت نہ رکھتی۔

فطرت نے احسان کے دل و دماغ کی آڑ میں اردو ادب کیلئے ایسی روح نگارش کا نزول فرمایا ہے جس کی ہندوستان کے متحیّر اور منتظر ماحول کو ضرورت تھی۔

چونکہ احسان خود معماروں کے پاس خشت برداری۔ چپراس گیری۔ چوکیداری اور باغبانی کرتا رہا ہے اور اُسے سرمایہ داری کے انسانیت سوز رویّوں اور جگر پاش مظالم سے واسطہ پڑتا رہا اس لئے اس کی شاعری خونیں اور دردناک مشاہدوں کے جابرانہ نظامِ دولت

پر فلسفیانہ غور و تعمق کا ایسا عام فہم نتیجہ ہے جو کانوں اور آنکھوں کی راہ سے دلوں تک اُتر جاتا ہے۔

احسانؔ ایک آزاد مفکر ہی نہیں بلکہ ایسا شاعر ہے جو تاثرات کو جذبات کی طرح ادا کر دینے پر قدرتِ تامہ رکھتا ہے اور ایسی شاعری ادب میں بہت بلند درجہ رکھتی ہے۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ احسانؔ کی نظموں کو سُن کر شقی سے شقی دل اور پتھر سے پتھر جگر بھی پگھل کر آنکھوں کے راستے بہنے لگتے ہیں۔ اس کی نظموں میں صرف المیہ روح ہی ہوتی ہے بلکہ وہ انسان کو اُس کے فرائض سے بھی آگاہ کرتا ہے۔

شملہ میں ایک آبدیدہ انسان نے احسانؔ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "خدا کی قسم! آج مفلسی اور دولتمندی کا فرق معلوم ہوا ہے۔ کسی لیڈر کی گفتگو اور مولوی کی تقریر کا جادو اس بات کو اس طرح نہیں سمجھا سکا تھا اب سے جہاں تک ہو سکے گا غریبوں کی سرپرستی اور خدمت کو اپنا مذہب سمجھونگا۔" آپ ہی فرمایئے کہ کیا ایسی شاعری ملک و قوم کیلئے مفید نہیں؟ اور کیا ہندوستان کو احسانؔ جیسے شاعر کی حقیقی و غیر معمولی ضرورت نہیں؟

احسانؔ کی کتابوں پر ملک کے موقر رسائل و جرائد نے جو شاندار ریویو کئے ہیں میں

ان کے حوالے سے بھی بہت کچھ لکھ سکتا ہوں لیکن مجبور ہوں کہ اجازت نہیں پاتا۔ اس کے دماغ میں تو وہی شاعرانہ عظیم مگر اندوہناک خیال ہے کہ مقدمۂ کتاب ایک ادبی رشوت ہے۔

ہاں اتنا اور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ہر صاحبِ ذوق احسان دانش کے کلام کو پڑھکر اُن تہذیبی اور جبلّی عناصر کو معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہو جاتا ہے۔ جن کے متفقّہ عمل سے اس کے عظیم الشان دل و دماغ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ چنانچہ مجھے بہت سے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ احسان دانش کی زندگی کے مفصّل حالات منظرِ عام پر لائے جائیں۔

اگرچہ میں خود بھی اس مقدّس اور مفید فرض کی ادائگی کے لئے بیتاب تھا اور شدّت سے محسوس کر رہا تھا کہ احسان کے سوانح پر پردہ ڈالنا ہندوستان کی نوجوان نسلوں سے بددیانتی کرنا ہے لیکن احسان اپنے مفصل حالات کو عام کر دینے کی اجازت نہیں دیتا تھا اب صاحبِ ذوق حضرات کے خطوط اور اراکین "تعمیرِ ادب" کے اصرار پر اس نے بہ استغناء رومان اپنے حالاتِ زندگی شائع کر دینے کی اجازت دیدی ہے۔ یہ کتاب "خودساز" کے عنوان سے انشاءاللہ ایک ماہ تک ترتیبی منازل طے کر چکے گی۔

توقیر طاہر گنگوہی

توقیر طاہر گنگوہی

جنھوں نے جناب احسان دانش کے حالاتِ زندگی اور کلام کو ترتیب دیا

رازونیاز ۳۳ تا ۷۰

مُرقّعے ۷۱ تا ۱۵۸

روشنیاں ۱۵۹ تا ۱۹۶

نشیب و فراز ۱۹۷ تا ۲۴۴

نقشِ نو

غزلیات

۲۴۵

تا

۲۶۶

بازگشت

غزلیات

۲۶۷
تا
۳۱۳

رموز

(برہان پور۔ سی۔ پی میں شاہ منصورؒ کے مزار پر کہے گئے ۔ احسان)

رموزِ ہستیٔ انساں کو انساں پا نہیں سکتا
معمّہ یہ کسی صورت سمجھ میں آ نہیں سکتا

فقیر اب عیشِ دُنیا کو نظر میں لا نہیں سکتا
میں دیوانہ سہی لیکن یہ دھوکا کھا نہیں سکتا

قدم راہِ طلب میں جو بھی بڑھ جائے غنیمت ہے
حقیقت کو اگرچہ فکرِ انساں پا نہیں سکتا

حجاباتِ تعیّن زندگی طے کرتی رہتی ہے
یہ افسانہ جو کہہ جاتا ہے وہ دُہرا نہیں سکتا

کبھی صانع سما سکتا نہیں صنعت کے دامن میں
سمجھ کا دینے والا خود سمجھ میں آ نہیں سکتا

یہ مانا ایک قطرہ ڈوب سکتا ہے سمندر میں
سمندر ایک قطرہ میں سمٹ کر آ نہیں سکتا

اسیرِ زندگی اور تبصرہ انجامِ ہستی پر!
تو بڑھ کر دو قدم اپنے سے آگے جا نہیں سکتا

نہاں ہیں ظلمتِ افلاس میں تابانیاں کتنی
سمجھتا ہوں میں خود اس راز کو سمجھا نہیں سکتا

نظر سے وقت کے ہمراہ پردے اُٹھتے جاتے ہیں
مگر مرکز کسی تعمیر کو ٹھہرا نہیں سکتا

ابھی میں چیر کر نکلا ہوں جس طوفاں کے سینے کو سفینہ ایسے طوفاں سے سلامت آ نہیں سکتا
اسیرِ حدِّ امکاں ہی بصیرت نوعِ انساں کی پرے سورج سے اُڑ کر کوئی ذرّہ جا نہیں سکتا

پیے ہیں اس قدر احسان آنسو شدّتِ غم میں
مرا ہم عصر شاعر اس طرح غم کھا نہیں سکتا

رہنمائی

جوانی کا تقاضا آرزوئے شادمانی ہے
مگر واعظ نہ کر ذوقِ طلب کو شادمانی سے!
ہے نادانی کسی شے پر نگاہوں کو جما دینا
چلا چل سر جھکائے شاہراہِ زندگانی سے

"وہ"

وہ، جس کی ہمہ آگاہی میں ہر رازِ نہاں ہستی ہے
وہ، جس کے اشاروں پر رقصاں عالم کی بلندی پستی ہے
وہ، جس کی بشاشت رہتی ہے ہر روح فزا ہریالی پر
وہ، جس کی ثنائیں ہوتی ہیں گلزار میں ڈالی ڈالی پر
وہ، جس کے نفس کی گرمی سے ہر غنچۂ رنگیں کھلتا ہے
وہ، جس کے تجلّی خانے سے خورشید کو جلوہ ملتا ہے
وہ، جس کا وظیفہ کرتے ہیں کہسار کے ہیجو دنظّارے
وہ، جس کے لئے سرگرداں ہیں میثاق کے دن سے سیّارے
وہ، جس کی رحمت کے نغمے گاتی ہے صبا برساتوں میں
وہ، جس کی لطافت ہوتی ہے سردی کی سہانی راتوں میں۔۔

وہ، نام سے جس کے چشموں میں تحریکِ ترنّم ہوتی ہے

وہ، جس کی شگوفہ زاروں میں تقلیدِ تبسّم ہوتی ہے

وہ، جس کا تکلّم بربط میں، وہ جس کی خموشی غاروں میں

وہ، جس کی جھلک ہے بجلی میں، وہ جس کی چمک ہے تاروں میں

وہ، جس سے ضیائیں ملتی ہیں اُمیّد کی رخشاں بستی کو

وہ، جس نے ترانے بخشے ہیں ہر پردۂ سازِ ہستی کو

وہ جس کی خموشی راتوں کو بستی ہے کشادہ گلیوں میں

وہ، جس کے تبسّم لُٹتے ہیں گلزار کی کمسن کلیوں میں

وہ، جس کو سارے عالم میں محبوب شبیہِ انساں ہے

وہ، جس نے کیا پیدا تجھکو ناداں وہی تو یزداں ہے

غمِ فردا

ریا کے بندوں کی صورتوں پر نہ جائیں اہلِ خرد سے کہہ دو!
سحر کے مانند اُن کا ہنسنا شبِ الم کا پیام ہوگا

اگرچہ ہیں بے وفائیوں پر تمام اعزازِ خاندانی
مگر یہ سب ہیں سراب کب تک ذریعۂ احترام ہوگا

نسائیت کی ادا فروشی حیا کے بازو تراش دیگی
نئے زمانہ کا روزِ روشن گُنہ کی تاریک شام ہوگا

بساطِ تفنوہی پہ دیکھ لینا گریگی جام و سبو کی بجلی!
لُٹیں گے اسٹیج پر تبسّم اسی کا تہذیب نام ہوگا

اُٹھا ہے بیباکیوں کا طوفاں بدل گئی تہذیبِ نو کا جامہ
اگر یہی ہے رَوِشِ تو اک دن تہی شرافت کا جام ہوگا

ڈھلک کے چشمِ حیا سے آنسو گریں گے عصمت کی آستیں پر
حسین چہروں کا خاص جلوہ فقط تماشائے عام ہو گا،
چمن میں ایماں کے خندہ زن ہیں غرورِ دوراں کی تازہ بجلی
حریمِ بطحیٰ میں سونے والے! ہمارا کیا انتظام ہو گا؟

حقیقت

سب حُسن و جمال و مہر و وفا ادراک و نظر کے دھوکے ہیں
یہ عکسِ حقیقت بھی تو نہیں تو جس کو حقیقت سمجھا ہے!
بے سود جلاتا رہتا ہے سینے میں چراغ امّیدوں کے
اس پر بھی کبھی کچھ غور کیا؟ ہر سانس ہوا کا جھونکا ہے

ماضی و حال

سُن اے ہند! اے تفرقوں کے نظارے! لہو تجھ پہ روتے ہیں راتوں کو تارے
تری بزم سے وہ سب انساں سدھارے جو عالم میں مشہور تھے حق کے پیارے
وہ ستونتیاں جن سے نادم ہوں حُوریں
وہ رُوحِ نجابت کہ خادم ہوں حُوریں
کبھی تیرے دامن تھے دامانِ رحمت تقاطر پہ تھا ابرِ بارانِ رحمت
نہیں اب مگر تجھ پہ رُحجانِ رحمت کہ اصلاً نہیں ہے تو شایانِ رحمت
شوالوں کے زرّیں کلس رو رہے ہیں
عبادت کے بُتکدے سو رہے ہیں

کبھی اہلِ عرفاں تھے آباد تجھ میں
کبھی تیرے بندے تھے آزاد تجھ میں
مگر آج بستے ہیں جلاد تجھ میں
جدھر دیکھو گریاں ہیں ناشاد تجھ میں

کبھی تجھ میں شاخِ وفا پھل رہی تھی
محبت کی مے ہر طرف ڈھل رہی تھی

بڑھی حد سے جب اہلِ زر کی شقاوت
نجیبوں پہ آپہنچی فاقوں کی نوبت
بجھی دل کے طاقوں سے شمعِ اخوت
مسلط ہوا ابرِ کفر و ضلالت

حیا نے ضمیرِ شرافت کو چھوڑا
شرافت نے حسنِ متانت کو چھوڑا

لگا چلنے ہر بزم میں دورِ ساغر
ہوا جذبۂ زشتت جامے سے باہر
اٹھا قلب سے زہد و تقویٰ کا دفتر
کیے مسخ فیشن نے فطرت کے جوہر

خواتین نے رسمِ پردہ اٹھا دی
نگاہوں کی بیباک دنیا جگا دی

جواں لڑکیوں میں بڑھی بے حیائی اُڑی آنکھ سے شرمِ نا کتخدائی
گھٹا ایسی عصیاں شعاری کی چھائی لبِ پاکبازی سے نکلی دہائی

مٹا دی قدیمی روش کرّوفر نے
کیا خونِ انسانیت ہر بشر نے

مُسلماں فرضِ مسلماں کو بُھولا تکبّر میں احکامِ قرآں کو بُھولا
سخا کو مروّت کو ایماں کو بُھولا یہاں تک ہُوا کور یزداں کو بُھولا

پجاری نے بُت بتکدے سے نکالے
ترسنے لگے آرتی کو شوالے

روّیہ کچھ اس طرح بگڑا جہاں کا پڑا کال مسجد میں بانگِ اذاں کا
کلیسا میں برسوں کسی نے نہ جھانکا مٹانے لگے نام خلّاقِ جاں کا

ملیں عظمتیں ساری جام و سُبو کو
لگے بھُولنے خالصہ واہگرو کو

جفاؤں نے بدلے بدل کر وفا کے
محبّت میں لہرائے پرچم ریا کے
اُڑے رنگ آنکھوں سے صدق و صفا کے
ہوئے فلسفی سارے دشمن خدا کے

زمانے کو نیچر پرستی پہ ڈالا،
تقدّس کو لعنت کے سانچے میں ڈھالا

جمی ہر طرف بزمِ ماتم گساری
لگی ہونے چھپ چھپ کے راتوں کو زاری
ہوئی زندگی اہلِ عزّت پہ بھاری
شرافت کو کھانے لگی شہر یاری

زمانے میں ظلم و ستم جاگ اُٹھّے
خوشی کو سُلا کر الم جاگ اُٹھّے

بنے ساز کے زیر و بم وجہِ کلفت
ہُوا پیدا نغموں سے سحرِ ہلاکت
بنی دوستی، دشمنی کی حفاظت
بظاہر محبّت بہ باطن عداوت

اور اب تو یہ عالم ہے اللہ توبہ
بہر صورت و رنگ واللہ توبہ

تصویرِ شام[1]

سن اے مُرلی منوہر! جانِ جاں تصویرِ زیبائی
جگت موہن ہے تُو من موہنی ہے تیری رعنائی

تری ہنسی کی تانیں مضطرب بھگتوں کے سینوں میں
ترے رُخ سے ضیا پاشی دلوں کے آبگینوں میں

تری تابانیاں ہیں صبح کے تابندہ اختر میں
تری شبرنگیاں ہیں شام کی زلفِ معنبر میں

ترے داغِ سیہ سے سرخرو گلشن میں لالہ ہے
ترے افکار سے باطن کی محفل میں اُجالا ہے

مچلتی ہیں تری رنگیں ادائیں مرغزاروں میں
ترا پرتو اندھیری وادیوں میں کوہساروں میں

ترے درشن سے اب بھی گوپیاں سرشار رہتی ہیں
تصوّر کو شش رہتی ہیں تبسّم کار رہتی ہیں

تو وہ شے ہے زمانہ تجھ سے غافل ہو نہیں سکتا
تو وہ دولت ہے تجھ کو قلبِ فطرت کھو نہیں سکتا

[1] سری کرشن چندر

شکستِ سکوت

(ریاکارانہ مخالفتوں سے متاثر ہوکر)

یہ فیضِ نور، یہ ہنگامِ طاعتِ معبود
شبِ بہار میں ہے خندۂ سحر کی نمود

خنک ہواؤں کے جھونکوں سے خامشی میں خلل
نمودِ حسن سے مجروح اِنصرامِ جمود

ہر ایک قطرۂ شبنم ہے گوہرِ خوش تاب
ہے محو آئینہ خانے میں شہر یارِ وجود

فضائیں بوئے گلستاں سے کشورِ مستی
ہوائیں زمزمہ پیرائے بربطِ داؤد

بساطِ شبنمِ سیمیں پہ بجلیاں بیتاب
نگاہِ شوق کے دامن میں گوہرِ مقصود

اُٹھائے ساقیٔ مہوش نے ساتگینِ شراب
خموش کرمکِ شب ہیں، چراغِ سر بسجود

ہر ایک اشکِ جگر زاد اخترِ تاباں
ہر ایک ذرہ نا چیز آفتاب نمود

خموش اہلِ حرم ہیں نہ اہلِ بتخانہ
کہیں نوائے ہری ہر کہیں صدائے درود

ہر ایک بت میں تڑپتے ہیں جلوہ ہائے خلیل
جبینِ عشق و محبت جھکی ہے بہرِ سجود

کھلا ہوا ہے نظر میں دریچۂ فردوس　　ہے منجلی مرا آئینۂ غبار آلود
ہجومِ جلوۂ فطرت کی تابشیں، توبہ!　　جہاں تہاں ہے تقاضا کہ ہاں رکوع و سجود
بھنور میں گھوم رہا ہے سفینۂ اندوہ　　جبینِ یاس ہے اس بزم میں عرق آلود
اُٹھا رہے ہیں صنم زارِ زندگی سے حجاب　　تخیلاتِ رفیع و نگاہ لامحدود
چھڑا ہے محفلِ شیریں میں قصۂ فرہاد　　ہے غزنوی کو تحیر ایاز سر بسجود
ہر اک جبین میں اندازِ کبریائی ہے　　اُٹھا ہوا ہے یہاں فرقِ شاہد و مشہود

سحر کا ڈوبتا تارا مرا گواہ رہے!
نظر میں کیفِ صبوحی زباں پہ یا معبود"

زمانے بھر میں یہ دورِ طرب یہ دورِ نشاط　　میں سجدہ ریز بصد غم یہ بارگاہِ ودود
تلے ہوئے ہیں مجھے پائمال کرنے پر　　یہ خاکدانِ حریفاں یہ آسمانِ کبود
مرے بلند ارادوں کی توڑ دیں نہ کمر　　یہ قحطِ جنسِ اخوت یہ دورِ نامسعود
قدم قدم پہ بچھاتے ہیں دام ہائے فریب　　کہیں یہ میرے عزائم کو کر نہ دیں مسدود

لُٹا کے مایۂ ناموس و فخرِ آبائی — تُلے ہیں اس پہ کہ احسان کیوں نہ ہو نابود

فروغِ حسنِ سخن پر ہیں سیخ پا اغیار — کمالِ فن پہ ہے خونابہ ریز چشمِ حسود

"یہ قصد ہے کہ بجھا دیں کسی طرح اس کو
نہاں جو ہے مرے سینے میں شعلۂ بے دود"

تو ہے سمیع و بصیر و مسبب الاسباب! — ہے تیرے قبضۂ قدرت میں کارگاہ نمود

ترے کرم سے ہے جو کچھ ہے ورنہ میں کیا ہوں — مری زباں میں لکنت مرے بیاں میں جمود

مرا ندامتِ عصیاں سے سر نہیں اُٹھتا — مری جبیں کو کہاں نازشِ ادائے سجود

میں ایک بندۂ آزادہ رو ہوں اے خالق! — مرے شعار میں داخل نہیں رسوم و قیود

نہ اہلِ زر سے تعلق، نہ اہلِ سیف سے میل — مری اُمید ہے تیری نگاہ تک محدود

نہ خضرِ رہ سے تعلق، نہ ناخدا سے غرض — ترے ہی در کو سمجھتا ہوں کعبۂ مقصود

تجھی پہ زعمِ تکلُّم تجھی پہ نازِ خیال — وگرنہ یہ مری ہستی ہے ہستیٔ بے سُود

میں رہزنانِ صداقت سے دب نہیں سکتا — مجھے خبر ہے کہ باطل کی بود ہے نابود

اگر تری یہ رضا ہے مرا نشاں نہ رہے
تو پھر مری بھی دعا ہے یہی کہ "ہاں نہ رہے"!

خطاب بہ توقیر طاہر

اُن سے ملنا ہے عبث اُن سے محبت ہے فضول
جن کے ورثہ میں نہ غیرت نہ شجاعت نہ ضمیر
کھو چکے ہیں جو درخشانیٔ ادراک و نظر
نہ کوئی جن کی جماعت نہ کوئی جن کا امیر
بیچ دیتے ہیں جو اجداد کے مرقد کی سلیں
اُن میں تو ڈھونڈ رہا ہے علم و تاج و سریر؟

حسنِ نظر

شفق کے سُرخ دریا میں نگاہیں تیر جاتی ہیں
کسی کے ہاتھ میں جب جامِ صہبا دیکھ لیتا ہوں

کچل دیتی ہے اس کی بے نیازی جب اُمیدوں کو
میں اس دُنیا ہی میں انجامِ دُنیا دیکھ لیتا ہوں

مرے آئینۂ امروز کے صیقل کا کیا کہنا
کہ جس میں منعکس تصویرِ فردا دیکھ لیتا ہوں

جبیں میں بے ریا سجدوں کا طوفاں سنسناتا ہے
سرِ بزمِ طرب جب عجزِ مینا دیکھ لیتا ہوں

نقابِ رنگ و بو میں چھپنے والے! یہ بھی سوچا ہے
میں ہر ذرّے کی پیشانی میں صحرا دیکھ لیتا ہوں

نگاہوں کو مری فرصت کہاں محفل شناسی کی
میں دل کے آئینے میں جانے کیا کیا دیکھ لیتا ہوں

تری محفل میں جا کر اور کچھ دیکھا نہیں جاتا
میں اپنی آنکھ سے اپنا تماشا دیکھ لیتا ہوں

نگاہوں میں وہ جلوے بھر دیئے مشقِ تصوّر نے
اندھیری رات میں رقصِ تجلیٰ دیکھ لیتا ہوں

مری ناکامیوں پر جب ستارے مسکراتے ہیں
میں اک موہوم سا خوابِ تمنّا دیکھ لیتا ہوں

مجھے احسان وہ گہری نظر دی دینے والے نے
دلِ شبنم میں غلطاں روحِ دریا دیکھ لیتا ہوں

زعمِ شاعر

مرے قلم کو ہے تمیزِ شعر پیرائی — عروسِ نظم کے گیسو سنوار دیتا ہوں
ادب کے پھول کھلا کر زمینِ اُردو میں — خزاں زدوں کو پیامِ بہار دیتا ہوں
شبابِ حسن کے پنہاں ترین جلوؤں کو — نگاہِ عشق اثر سے نکھار دیتا ہوں
مرے نقوشِ تخیّل ہیں زندۂ جاوید — بگڑ کے حسن کی ہستی سنوار دیتا ہوں
شرابِ نغمۂ دل سے فضا کو نہلا کر — چمن چمن کو نویدِ بہار دیتا ہوں
غرورِ حُسن میں ڈوبی ہوئی جبینوں کو — نقوشِ عجزِ محبّت اُبھار دیتا ہوں
بہا کے بزمِ چمن کے مآل پر آنسو — خراجِ کشورِ حُسنِ بہار دیتا ہوں
وفا سرشت ہوں پروردۂ عتاب ہے دل — جفائے حُسن کو جائز قرار دیتا ہوں
روا نہیں مرے مسلک میں خوئے خودداری — شبِ الم کو ہنسی میں گزار دیتا ہوں

ہو جس کی مست نظر میں فراستِ کونین میں اپنے دل پہ اُسے اختیار دیتا ہوں

ہے چشمِ حور و ملائک کو آرزو میری
خُدا سے ہوتی ہے خلوت میں گفتگو میری

لاہور کے ایک نقّاد پروفیسر سے

شاعری کو دیکھ میری شکل و صورت پر نہ جا!
فن شناسوں میں ترا یوں نام ہو سکتا نہیں!
میری قسمت نامُرادی، میرا دل وقفِ محن
کچھ بھی ہو میرا مصوّر خام ہو سکتا نہیں!!

شعر

یہ نظم "شعر و شعریت" کے عنوان سے چھپ چکی ہے لیکن اب اسے دو حصوں میں
کر دیا گیا۔ اس کتاب میں اس کا دوسرا حصّہ "تخلیق شعر" کے عنوان سے ملاحظہ فرمائینگے، نوفیر طاہر

فی الحقیقت شعر ہے تصویرِ احساسِ لطیف
بحر الہامات کی نازآفریں موجِ خفیف

نو عروسِ آرزو کے رُخ پہ جلوؤں کی نمود
یا جبینِ خامۂ گلریز کے نقشِ سجود

کشت زارِ معنیٔ مطلب میں نہر سلسبیل
درد کے دیباچۂ غمگیں کا عنوانِ جمیل

حسرتِ مرگ آشنا کا جاں فزا طرزِ بیاں
شامِ ماتم میں گذشتہ عشرتوں کی داستاں

موت کی تاریکیوں میں نور قندیلِ حیات
کارگاہِ شوق میں اک اتفاقی واردات

جادہ پیمائے جنوں کی عارفانہ گفتگو
دیبدارِ عشق کی اک کافرانہ گفتگو

بے ثباتی میں نقوشِ جاودانی کی نمود
روح لیلائے معانی کا تلفظ میں شہود

آرزو کی بدنصیبی میں فغانِ دلگداز
کہ مکرنی میں جہانِ حسن کا رازِ نیاز

نغمۂ اندوہ میں رنگینیٔ حُسنِ خیال — سیکڑوں پردوں میں فریادِ نگاہِ پائمال
لوحِ دل پر اعتبارِ حُسن کے زرّیں نقوش — عشق کی مژگانِ خون آلود کے رنگیں نقوش
وارداتِ شوق کی دنیا کا اک سچّا گواہ — سینۂ قرطاس پر رودادِ احساسِ نگاہ

شعر کے اسرار زندانِ بیاں سے دُور ہیں
نُطق کو سکتہ ہے ادراک و خرد مجبُور ہیں

رُباعی

کانٹوں میں گلستاں کی ادا نا ممکن!
ظُلمات کی فطرت میں ضیا ناممکن!
لاہور کے اربابِ ادب میں احسانؔ
شائستگیٔ صدق و صفا نا ممکن!

ایک آرزو

یہی اک آرزو رہتی ہے بیکل دل کی دنیا میں
کہ گم ہو جاؤں احساسِ جلوۂ جانِ تمنّا میں

جہاں خوفِ فنا کی تیرگی مفقود ہوتی ہے
جہاں پروازِ فکر و شوق لامحدود ہوتی ہے

جہاں ہوتے نہیں دنیائے غم پرور کے نظّارے
جہاں ذرّوں کے دل میں پرورش پاتے ہیں سیّارے

جہاں چاروں طرف تنویر ہی تنویر ہوتی ہے
عبادت کی جہاں بجنت فزا تفسیر ہوتی ہے

جہاں مصروف رہتی ہے نظر آئینہ بینی میں
جہاں سورج چمکتے ہیں تبسّم آفرینی میں

جہاں پائے خرد رہتا نہیں زندانِ طاعت میں
انا الحق ہی انا الحق ہے جہاں بزمِ سماعت میں

جہاں چھوتی نہیں بادِ فنا دامانِ ہستی کو
جہاں حُسن پرستش جانتے ہیں خود پرستی کو

جہاں ناپید بحرِ بے نیازی کا کنارہ ہے
جہاں تخلیقِ عالم اک تجلّی کا اشارہ ہے

جہاں جھکتا ہے سرِ زعم و غرورِ آسمانی کا
اُبلتا ہے جہاں شفّاف چشمہ زندگانی کا

وہیں دریا بہے اُس کُنت کنزاً کہنے والے کا
مری آنکھوں سے اُچھلے میرے دل میں رہنے والے کا

عزمِ مردانہ

دنیا کی دو روزہ عشرت پر کیوں بھینٹ چڑھاؤں ایماں کی
اندوہِ جفا کی تلخی کو مانوسِ تمنّا کر لوں گا!

مانا کہ سنہری شمع نہیں، دل سوزِ الم سے روشن ہے
پلکوں پہ لرزتے اشکوں کو مہتاب ثریّا کر لوں گا

مجبور سہی، معذور سہی، میدانِ عمل میں آتے ہی
اُمیّد کی دھندلی بستی کو لبریزِ تجلّی کر لوں گا

قُم قُم کا ترانہ چھیڑوں گا پامال شدہ ارمانوں میں
ترتیب میں لا کر ذرّوں کو دو روز میں صحرا کر لوں گا

تزئینِ بہارِ گلشن پر مِٹ جاؤں کوئی دیوانہ ہوں؟
مصروفِ تجلّی آنکھوں کو کیا محوِ تماشا کر لوں گا؟

ہو غور تو پھر نا ممکن ہے تزویر سے دل آگاہ نہ ہو
کوتاہ یونہی رفتہ رفتہ دامانِ تمنّا کر لوں گا
اے جانِ تمنّا یاد تری ضَو پاش دلِ بیتاب میں ہے
اک روز اسی غمخانے کو ایوانِ مسیحا کر لوں گا
مر مر کے رہائی پائی ہی احسانِ فریبِ صورت سے
کیا اب بھی دل کی دنیا کو آلودۂ دنیا کر لوں گا؟

حیات وموت

عمرِ فانی کے بھروسے پہ اُمیدیں ہیں فضول
آکے منجدھار میں کمبخت دغا دیتی ہے
دیتی ہے زیست محبّت کے صلہ میں اندوہ
موت زندانِ مصائب سے چھڑا دیتی ہے

دُنیا

اگرچہ خُلدِ بریں کا جواب ہے دُنیا — مگر خدا کی قسم ایک خواب ہے دُنیا

سحر پیامِ تبسّم ہے، شام اذنِ سکوت — شگوفہ زار کا فانی شباب ہے دُنیا

لرز رہی ہے فضا میں صدائے غم پرور — ترنّماتِ فنا کا رباب ہے دُنیا

جہاں کی عشرتِ فانی پہ اعتبار نہ کر — شبِ بہار کا مستانہ خواب ہے دُنیا

یہاں کی شام ہے اک پردۂ سیہ کاری — شرابِ عیش کے پیاسو سراب ہے دُنیا!

قدم قدم پہ طلسماتِ نور و ظلمت ہیں — فریب خانۂ شیب و شباب ہے دُنیا

شکستِ دل کی حکایات حسرتوں کے بیاں — فسانہ ہائے الم کی کتاب ہے دُنیا

جُھکا نہ خاکِ درِ حُسن پر جبینِ اُمید! — سنبھل سنبھل کہ یہاں بےحجاب ہے دُنیا

تنک جمائی شبنم ہے زینتِ گلشن — تنوّعاتِ بہاریں کا خواب ہے دُنیا

ہجومِ درد کی انبوہِ آرزو کی قسم — تواترِ ستمِ بے حساب ہے دُنیا

رہِ خلوص میں احسان اس سے بچ کر چل — کہ ایک خضرِ ضلالت مآب ہے دُنیا

سرگذشت

نہ پوچھ عمرِ گذشتہ کی سرگذشت نہ پوچھ
جنونِ شوق نے رکّھا رواں دواں مجھکو

شکستہ پائی نے آکر قدم لئے میرے
فریب دیدگیٔ رفتارِ ہمرہاں مجھکو

وطن کے سیف زبانوں کا دَور اُف توبہ
زباں کے زعم میں کہتے تھے بیزباں مجھکو

قیام گاہ پہ رہزن کی لے گیا اکثر
سُراغِ نقشِ کفِ پائے رہرواں مجھکو

شبِ الم کے اندھیرے نے خون رُلوایا
دلا کے یادِ شبِ ماہ کا سماں مجھکو

یہ مختصر ہے کہ گردوں کی فتنہ کاری نے
کیا ہجومِ نوائب کا رازداں مجھکو

ہوئی طبیعتِ حسّاس غم سے جب مانوس
دیا سکوتِ الم نے پیامِ جاں مجھکو

زمیں نے ہانپ کے چھوڑی مری قدم گیری
معاف کر ہی گیا جورِ آسماں مجھکو

یہ حادثات ہی نکلے نشاطِ روحانی
کیا ترا کمِ حرماں نے شادماں مجھکو

رہے نصیب سمجھتا ہے زینتِ محفل[۱]
نحیف خاک کے ذرّوں کا کارواں مجھکو

یہاں یہ عالمِ وحشت کہ خود سے بیگانہ
بُلا رہے ہیں علیگڈھ سے مہرباں[۲] مجھکو

۱؎ یہ ان غریب اور شعر پسند دوستوں کی طرف اشارہ ہے جو میری ابتدائی شاعری کو بھی پسند کرتے تھے۔ ن

۲؎ سید حلیم الدین، راحت مولائی، جاں نثار اختر، رشید احمد مودودی، ابو مسلم وغیرہ کی طرف اشارہ ہے احسا

تغیّر

اے ہمنشیں کلام مرا لا کلام ہے
سُن! زندگی تغیّرِ پیہم کا نام ہے!

راتوں کو ہے سحر کی تجلّی کا انتظار
ہے ہر صدا فراقِ خموشی میں بیقرار

سوئے خزاں بہارِ گلستاں روانہ ہے
ہر برگ کا سکُوت سراپا فسانہ ہے

اہلِ نقاب تنگ ہی قیدِ نقاب سے
ذرّوں کو دُھن یہ ہے کہ ملیں آفتاب سے

نکہت کی کوششیں کہ نکلنا نصیب ہو
موسم کو یہ لگن کہ بدلنا نصیب ہو

شمس و قمر کو ضد ہے کہ گرمِ سفر رہیں
بے رنگیوں میں خالقِ شام و سحر رہیں

شہروں میں انقلاب، بیاباں میں انقلاب
محفل میں انقلاب، شبستاں میں انقلاب

کس پر یہاں تغیّرِ نَو کا فسوں نہیں
اس بزم میں نصیب کسی کو سکوں نہیں!

استفسار

نسیمِ صبح کی امواجِ عطر افشاں کو — شمیمِ گیسوئے سردارِ انبیاءؐ کی قسم

گدازِ عشق سے معمور جن کے سینے ہیں — انھیں کے سوزِ محبّت کی ابتدا کی قسم

خرابِ بادہ کو سوگند جام و مینا کی — شہیدِ حُسن کو نیرنگیٔ ادا کی قسم

اُنھیں جو ملّتِ بیضا پہ جان دیتے ہیں — شہِ مدینہ و محبوبِ کبریا کی قسم

شرابِ حُسن سے مخمور مہ جبینوں کو — چمن فروز رُخ و چشمِ سحر زا کی قسم

درازِ گیسو و زرّین خرقہ پوشوں کو — رہِ طریقتِ اقدس کے رہنما کی قسم

صنم کدوں میں جو محوِ سجود رہتے ہیں — انھیں بتوں کے جمالِ خدا نما کی قسم

غمِ حسینؑ میں آزردہ رہنے والوں کو — وقارِ یثرب و توقیرِ کربلا کی قسم

بشر کو، جن و ملائک کو، حور و غلماں کو، — درِ نبی کی قسم عرشِ کبریا کی قسم

قسم ہے زاہدِ مسجد نشیں کو حوروں کی — گناہگار کو دامانِ مصطفٰےؐ کی قسم

بتائیں شورشِ کونین کا مآل مجھے! — سنائے جاتا ہے ہر وقت یہ خیال مجھے!!

وداعِ جوانی

ایک مشاہدہ

گھٹا غفلت کی سر پر چھا رہی ہے ہوسنا کی ترانے گا رہی ہے
شقاوت دامِ زر پھیلا رہی ہے صدا یہ دل سے پیہم آ رہی ہے
دغا دے کر جوانی جا رہی ہے

بہاریں فتنہ خو ہیں فتنہ گر ہیں زمین و آسماں زیر و زبر ہیں
حسینوں کی نگاہیں بے اثر ہیں شرر انگیز انوارِ سحر ہیں
چمن کی ہر کلی تھرّا رہی ہے

فریبِ دہر کھلتا جا رہا ہے خیالِ عاقبت تڑپا رہا ہے
تمنّاؤں پہ دل شرما رہا ہے اُمیدوں پر دھندلکا چھا رہا ہے
طبیعت خود بخود گھبرا رہی ہے

گذشتہ عمر یاد آتی ہے اکثر تڑپتے دل کو تڑپاتی ہے اکثر
لہو آنکھوں سے رُلواتی ہے اکثر سکوں پر برق منڈلاتی ہے اکثر
اُمنگوں پر اُداسی چھا رہی ہے

جو ہنستا ہوں تو بھر آتے ہیں آنسو مژہ پر آکے تھرّاتے ہیں آنسو
تڑپتا ہوں جو تھم جاتے ہیں آنسو دلِ مضطر میں گھبراتے ہیں آنسو
فضائے دہر غم برسا رہی ہے

غش آجاتا ہے اب آوازِ نَے سے پھرا جاتا ہے سر مُطرب کی کَے سے
اُمنڈ آتے ہیں آنسو ذکرِ مَے سے طبیعت پھر گئی ہر ایک شے سے
ضعیفی سر جُھکائے آ رہی ہے

ہے دل اب مائلِ انجامِ دُنیا سحر میں ہے نمودِ شامِ دُنیا
تڑپ جاتا ہوں سُنکر نامِ دُنیا نظر آتی ہے دنیا دامِ دُنیا
حقیقت اپنی کھلتی جا رہی ہے

دگرگوں ہے نظامِ بزمِ عالم ہر اک ذرّہ ہے گویا چشمِ پُرنم
اُڑاتی ہیں ہوائیں غم کا پرچم بپا ہے جابجا اک شورِ ماتم
فضا زنجیرِ در کھڑکا رہی ہے

گورستان میں

عشرت کے ترانے گونگے ہیں چُپ چاپ ہیں غم کی فریادیں
اے گور نگر کے باشندو کیا بات ہے کیوں خاموشی ہے؟
ہستی کے سکون و راحت کی امیّد کا کیا انجام ہوا؟
یہ خواب ہے یا بیداری ہے؟ آرام ہے یا بیہوشی ہے؟

ہونے کو ہے

جلوۂ روئے خردمندی سے اٹھتی ہے نقاب
روح پر طاری فسونِ بیخودی ہونے کو ہے

ہے نہاں اُمڈی ہوئی راتوں کے دل میں آفتاب
تیرگی سے رُونما تابندگی ہونے کو ہے

باعثِ تخریبِ محفل ہے یہ تکمیلِ نشاط
زمزمے کی لہر دردِ زندگی ہونے کو ہے

آنسوؤں کی ہو گی انوارِ تبسم سے نمود
دل کا اطمینان صرفِ بیکسی ہونے کو ہے

گفتگو میں کروٹیں لیتا ہے ارمانِ سکوت
نالۂ ناقوس آہِ بے کسی ہونے کو ہے

روح کے انوار میں پڑنے کو ہے عکسِ مآل
ذوقِ عصیاں بڑھ کے شوقِ بندگی ہونے کو ہے

گامزن ہے ہر مسافر قطعِ منزل کیلئے
موت کا ساحل قریبِ زندگی ہونے کو ہے

زمزمے نالوں میں اور نغمات میں فریاد دیکھ!
آنکھ رکھتا ہے تو رنگِ جلوۂ اضداد دیکھ!

سینما میں

اللہ اللہ صنعتِ انساں کا اوجِ زرنگار
ہیں مصوّر کی قلمکاری میں رُوحیں بیقرار

بولتا ہے اس جگہ ماضی زبانِ حال سے
پھول اُگتے ہیں زمینِ گلشنِ پامال سے

عشق کا نالہ حضورِ حسن میں ہے باریاب
اُٹھ رہی ہے خود بخود روئے تغافل سے نقاب

چوستے ہیں خونِ کلیوں کا کہیں خارِ مغیل
مسکراتے ہیں دھندلکوں میں کہیں روئے جمیل

اشکِ رنگیں سے کہیں تر آستینِ حُسن ہے
خم کہیں پائے مصائب پر جبینِ حُسن ہے

ذرّہ ذرّہ ہے یہاں عنوانِ رازِ زندگی
منقسم ہے سینکڑوں پردوں پہ سازِ زندگی

مرحبا اے شورشِ ہنگامہ زارِ جستجو!
کھینچ دی پردے پہ کیا تصویرِ دُنیا ہو بہو

اسلوبِ عالم

ہمنشیں! پوچھ نہ مجھ سے کہ محبت کیا ہے
اشک آنکھوں میں اُبل آتے ہیں اس نام کے ساتھ

تجھ کو تشریح محبت کا پڑا ہے دَورہ
پھر رہا ہے مرا سر گردشِ ایّام کے ساتھ

سُن کہ نغموں میں ہے محلول یتیموں کی فغاں!
قہقہے گونج رہے ہیں یہاں کہرام کے ساتھ

پرورش پاتی ہے دامانِ رفاقت میں ریا
اہلِ عرفاں کی بسر ہوتی ہے اصنام کے ساتھ

کوہ و صحرا میں بہت خوار لئے پھرتی ہے
کامیابی کی تمنّا دلِ ناکام کے ساتھ

یاس آئینۂ امیّد میں نقّاشِ الم
پختہ کاری کا تعلّق ہوسِ خام کے ساتھ

شب ہی کچھ نازکشِ پرتوِ خورشید نہیں
سلسلہ صبحِ دل افروز کا ہے شام کے ساتھ

ہے تونگر کی شبستاں میں چراغانِ بہشت
وعدۂ خلدِ بریں کشتۂ آلام کے ساتھ

کون معشوق ہے کیا عشق ہے سودا کیا ہے؟
میں تو اس فکر میں گُم ہوں کہ یہ دُنیا کیا ہے!

ایک بچہ جس کا والد کر چکا تھا انتقال
گھر سے نکلا اس طرح ناشادماں خستہ حال

لرزہ براندام دل بریاں کلیجا پاش پاش
دیدۂ پُرنم میں سیمیں آنسوؤں کا ارتعاش

فرطِ غم سے درہم و برہم نظامِ عقل و ہوش
گفتگو میں ہچکیاں موسیقیِ بزمِ سروش

نشترِ اندوہ کی دُکھتے کلیجے میں کسک
آنسوؤں میں عارضِ حورِ بہشتی کی جھلک

جسم میں رعشہ، جگر میں درد، سینہ میں گداز
رحمتِ یزداں کی حسرت مند سیمائے نیاز

درد سے چمکا ہُوا آئینۂ حسنِ ضمیر
چاند سے رخسار پر اشکوں کی بھیگی سی لکیر

رنج سے آشفتہ حال، آشفتہ دل، آشفتہ سر
لوحِ پیشانی پہ تصویرِ یتیمی جلوہ گر

ناوکِ آلام سے مجروح دل، سینہ فگار
دیدۂ گریاں میں درد انگیز نظریں بیقرار

یہ گماں ہوتا تھا اب عالم ہوا زیر و زبر
تھی غرورِ آسماں کی پائے لرزاں پر نظر

دل یہ بولا بے محل ہے اِس جگہ چون و چرا کیا سفینے کو ڈبو دیتا ہے کوئی ناخدا؟

یوں بڑھاتا ہے خدائے دو جہاں شانِ یتیم

تولتا ہے صبر کے کانٹے پہ ایمانِ یتیم

ناتمامی

شاداب ہوں کیا گلشنِ شاعر کی فضائیں

اظہار کے چشمے ہیں اِدھر بند اُدھر بند

گفتار کو حاصل یہ کہاں قدرتِ کامل

احساس کو الفاظ میں کردے جو نظر بند

تخلیقِ شعر

یہ نظم شعر و شعریت کے عنوان سے چھپ چکی ہے لیکن میں نے اس کے دو حصّے کر دیئے ہیں

اس کا پہلا حصّہ "شعر" کے عنوان سے آپ کہیں اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائینگے۔ (توقیر طاہر)

شعر کی تخلیق میں ہے دخلِ فطرت بیحساب
علم اور حکمت کو کہتے ہیں یہاں گونگے کا خواب

پرچمِ قدرت ہے قصرِ شاعری پر زرنگبار
کوئی دیکھے دشت، میداں، باغ، دریا کی بہار

سرد فوارے پہ سورج کی شعاعِ زرفشاں
صبحدم دوشیزہ کلیوں کے تبسّم کا سماں

مست ساون کی بہاروں میں تبسّم پاش رات
ابر پاروں سے مہِ نو کی نگاہِ التفات

دوب کے ریشوں پہ شبنم کی چمکتی بوندیاں
مرمریں قلموں کا سبزے پر خرامِ دلستاں

گوشِ گُل میں صبحدم بادِ صبا کی گفتگو
لوٹتی راتوں میں آہوں کو اثر کی جستجو

گرمیوں کی دھوپ اور پیدل سفر میں تشنگی
خشک پتوں سے بگولوں کی انوکھی دل لگی

بارشوں میں سینۂ دریا پہ بوندوں کا سماں
شامِ غربت کے دھندلکے میں خیالِ دوستاں

سردیوں کی رات میں اک بھولنے والے کی یاد نزع کی ہچکی کے پردے میں ستم کی روئداد

نرم و نازک شاخساروں میں ہواؤں کی کسک باغ میں وقتِ سحر معصوم کلیوں کی چٹک

آسماں پر صبحدم لرزاں ستارے کی نگاہ چاندنی میں راستوں پر ندیوں کا اشتباہ

ہے مزّین شعریت ہی سے تو ایوانِ حیات

اس چراغاں سے درخشاں ہے شبستانِ حیات

ایمان

مشرق سے نکلتے سورج کی تنویر پہ ایماں لایا ہوں

گلزار میں پتی پتی کی تحریر پہ ایماں لایا ہوں

احساس مرے اس مشرب کا انجام نہ جانے کیا ہوگا

تدبیر ہے شغلِ بیکاری تقدیر پہ ایماں لایا ہوں

سولن میں شام

یہ وقتِ شام، یہ رنگیں نظارے کوہساروں میں
شرابِ سُرخ کی بارش ہے متوالی بہاروں میں
چٹانوں پر ہے کچھ بھیگی ہوئی سی دھوپ کا پَرتو
دھواں سا اُٹھ رہا ہے اونچے اونچے دیوداروں میں
اُجالا رفتہ رفتہ گھٹ رہا ہے کوہ و صحرا سے
اندھیرا رفتہ رفتہ بڑھ رہا ہے شاخساروں میں
وہ ٹھنڈی سانس بھرتی آ رہی ہے رات کی دیوی
صدائے زمزمہ مدّھم ہوئی ہے آبشاروں میں
لگا دی ہیں شفق نے سُرخ سنجافیں چٹانوں پر
عروسِ تیرگی نے زلف کھولی سبزہ زاروں میں

بہت پُر سوز ہے جنگل میں کوئل کی نوا ریزی

تڑپ اُٹھیں نہ روحیں مرنیوالوں کی مزاروں میں

ہوا سے مست سبزہ جھومتا ہے لہلہاتا ہے

شرابِ ناب سی برسی ہوئی ہے مرغزاروں میں

ہوا سہلا رہی ہے پھول کچھ سمٹے سے جاتے ہیں

قدم اٹھتے نہیں نکہت کے شرمیلی بہاروں میں

سیاہی آگئی ہے تمتماتے سُرخ پھولوں پر

شفق کا رنگِ رُخ حل ہوگیا ہے لالہ زاروں میں

لرزتی ہے گلابی دھوپ اونچے اونچے ٹیلوں پر

پرندے جلدی جلدی چھپ رہے ہیں شاخساروں میں

گڈریئے اپنے ریوڑ کو لیے بستی میں جا پہنچے

مسافر کم نظر آنے لگے اب رہگزاروں میں

فضا لبریز ہے ناقوس کی غمگیں نوائی سے
اذانوں کی صدائیں تیرتی ہیں کوہساروں میں

تصوّر نے کسی کے میرے دل میں بجلیاں بھر دیں
نگاہیں کھیلتی ہیں طورِ سینا کے شراروں میں

بڑا ہی لطف ہو احسانؔ اگر اب دم نکل جائے
لیاقت[1] ہو ہمارے چار دن کے سوگواروں میں

---

[1] حافظ لیاقت علی صاحب میرے ایک عزیز دوست ہیں جو اُن دنوں سولن میں قیام پذیر تھے۔ احسانؔ

دوپہر کے چند لمحے

مئی کے مہینے کا جلاّد سورج بہ رنگِ تپش آگ برسا رہا ہے

تڑپتے ہیں ذرّات کرنوں کی زد پر، بیاباں پہ ابرِ جنوں چھا رہا ہے

ہواؤں کے جھونکوں کے ہمراہ گویا درختوں کی سبزی اُڑی جا رہی ہے

نکلتی ہے آنچ اس طرح کھیتیوں سے کناروں کا سبزہ جلا جا رہا ہے

ہوئیں سُرخ تپ تپ کے کانٹوں کی نوکیں مُڑی جا رہی ہیں درختوں کی شاخیں

ہیں بکسے ہوئے برگ جھلسے ہوئے گل، بُرا جانکنی کا سماں چھا رہا ہے

فلک دہکا دہکا فضا پگھلی پگھلی، ہوا تپتی تپتی، زمیں تانبا تانبا

ہے اُبلی ہوئی آبگیروں میں کائی کوئی جیسے پانی کو کھولا رہا ہے

دلوں میں ہے روحِ جہنم کی حدّت نگاہوں میں آتشکدوں کی حرارت

پسینہ ہے ماتھوں پہ یا رفتہ رفتہ دماغوں کا جوہر بہا آ رہا ہے

۵۔ اکولہ (برار) میں لکھے گئے۔

منصوری میں

چمن میں شاخ شاخ پر نسیم مشکبار ہے
جدھر نظر اُٹھایئے ادھر ہی لالہ زار ہے،
مہک رہی ہے بزمِ دل شمیم عطر بار سے
نسیم میں بسا ہوا ترنمِ ہزار ہے
ہجومِ کیف چھا گیا جہانِ عقل و ہوش پر
فروشِ سبزہ زار پر شمیم رقص کار ہے
ترانہ ہائے جانفزا مچل رہے ہیں چار سُو
فضائے گلستاں ہے یا فضائے نغمہ زار ہے
چمن میں سیلِ رنگ و بُو روش روش پہ موجزن
ہر ایک پھول باغ کا خُلاصۂ بہار ہے۔

اُٹھو بھی میکشو اُٹھو اُٹھا وہ ابرِ قیر گوں

جہاں میں آج ہر طرف بہار ہی بہار ہے

سحر بھی ہے بہار بھی، ہوائے مشکبار بھی

مگر ابھی نگاہ کو کسی کا انتظار ہے

بہترین پیداوار

حسنِ ظرف و ضمیر کے آگے

بے اثر ہے طلسم نقش و نگار

نیک ماؤں کے نیک بچّے ہیں

ملک کی بہترین پیداوار

جہانگیر کے مقبرے کی ایک شام

آج تک ہے اک سہانی شام نازِ بزمِ ہوش خواب کی پریاں تھیں نازِ جہانِ زیرِ فروش
پرچمِ ظلمت سرِ تنویر لہرانے کو تھا صبح کا خوابِ نظر تعبیر ہو جانے کو تھا
آم کی شاخیں نظر آتی تھیں مرجھائی ہوئی گرد تھی پتوں پہ رہگیروں کی ٹھکرائی ہوئی
باغ کی خاموشیوں میں جذب تھا غوغائے عام نور کے دل میں تھا ظلمت کا خیالِ ناتمام
فرشِ نورانی پہ ظلمت چھاؤنی چھانے کو تھی دھوپ کے مارے بیابانوں کو نیند آنے کو تھی
آ رہا تھا اونگھتے کھیتوں سے بل کھاتا ہوا سادہ رُو دہقان میٹھی راگنی گاتا ہوا
گامزن تھی جادۂ تخئیل پر لے کر چراغ، کھیتیوں کی نکہتِ نمناک سے بزمِ دماغ
آسماں برسا رہا تھا جلوۂ حُسنِ شفق مل رہے تھے بھیک میں جنگل کو سونے کے ورق
سرد تھیں ذرات کی تپتی ہوئی پیشانیاں دم بخود تھیں فکر میں ڈوبی ہوئی ویرانیاں

رفتہ رفتہ کھل رہے تھے گیسوئے لیلائے شام — ڈھل رہی تھی صبح کی میناؤں میں صہبائے شام

تھا سراسر میرے گیسوئے تخیّل کا بناؤ — ہانپتے رستوں کا اطمینان شاخوں کا جھکاؤ

عکس افگن تھی بصد انداز شیریں رُخ پر — آسماں کے زرفشاں جلووں کی شرمیلی نظر

اپنی دُھن میں گنگناتا جھومتا جاتا تھا میں
سانولے منظر نظر سے چُومتا جاتا تھا میں

چلتے چلتے سامنے وہ مقبرہ آیا نظر — اکبرِ اعظم کا جس میں دفن ہے لختِ جگر

دیکھ کر یہ محفلِ دوشینہ کی شمعِ خموش — جاگ اٹھا احساس روشن ہو گئی قندیلِ ہوش

یہ زمیں اس تاجدارِ ہند کی ہے پردہ دار — جس کے آئینِ جہانبانی رہیں گے یادگار

ہے یہاں روپوش دورِ مغلیہ کا آفتاب — ہے یہاں انساں کی ہستی کا معمّا بے نقاب

اس جگہ آتے ہیں انساں غم سے گھبرائے ہوئے — زندگی کی شورشِ پیہم سے اکتائے ہوئے

ہے یہاں ہر شے مجسّم عشق کی اک یادگار — ذرہ ذرہ عشرتِ ماضی کا ہے آئینہ دار

خلق کے روندے ہوئے مجبور آتے ہیں یہاں — آ کے اکثر اہلِ دل آنسو بہاتے ہیں یہاں

ہے یہاں مدفون نازِ عقل و شانِ انجمن ہے یہاں خوابیدہ روحِ عدل و جانِ انجمن

یہ شبستانِ جہانگیری ہی بابِ حسن و عشق اہلِ باطن کیلئے درسِ کتابِ حسن و عشق

ہے یہاں نظارۂ آغاز انجامِ حیات ڈگمگاتے ہیں یہاں چلتے ہوئے گامِ حیات

مر چکی ہو جس کی غیرت سو چکے ہوں ولولے
وہ مری آنکھوں سے دیکھے میرے کانوں سے سُنے

مٹ چکا دورِ جہانگیری زمانہ ہو گیا اب بھی میناروں سے آجاتی ہے سطوت کی صدا

دبدبے سے اب بھی ہے ساکن فضائے قیل و قال اب بھی محرابوں پہ ہے چھایا ہوا رعب و جلال

اب بھی خاموشی کے پردے میں ہے آوازِ درا سننے والے اب بھی سنتے ہیں نفیریوں کی صدا

ہے وہی اب بھی شکوہِ شہریاری جلوہ گر رُکتی ہے آندھیوں کو پاسبانوں کی پکار

اب بھی پریاں گنگناتی ہیں رو پہلی رات میں اب بھی دورِ جام چلتا ہے بھری برسات میں

اب بھی دروازوں میں ہے تیغوں کی جھنکاروں کی گونج مرتعش ہے اب بھی ہر گوشہ میں نقاروں کی گونج

اب بھی جھکتی ہے یہاں پیشانیٔ شمس و قمر سیم و زر اب بھی برستا ہے یہاں شام و سحر

خاک کے ذرّے نظر آتے ہیں تھراتے ہوئے
سانس رُکتی ہے بگولوں کی یہاں آتے ہوئے

چھائی رہتی ہے فضاؤں میں خموشی سربسر
سرد پڑ جاتی ہے آتش ریز سورج کی نظر

یہ تو سب کچھ ہے مگر پہلی سی اب باتیں نہیں
وہ خوشی کے دن نہیں وہ عیش کی راتیں نہیں

محفلِ شاہی میں وہ پہلے ترانے اب کہاں
شوق کی راتوں میں عشرت کے فسانے اب کہاں

میکشوں کے سامنے انجامِ مستی آگیا
سرپرستی جل کے دورِ زرپرستی آگیا

بند ہے بھوکے غریبوں کی نقاہت سے زباں
شام کو اکثر نہیں اٹھتا ہے چولھو سے دھواں

بڑھتی جاتی ہے نجیبوں کی پریشانی بہت
ہند میں ہے فاقہ مستوں کی فراوانی بہت

منعموں کا کیا ہے کٹتی ہی وہاں حوروں میں رات
لیکے طغیانِ الم آتی ہے مزدوروں میں رات

مٹ چکی رسمِ وفا بدنامِ اُلفت ہو چکی
ہو چکی معدوم دنیا سے صداقت ہو چکی

اب تو اک طوفانِ اشکِ بیقرار آنکھوں میں ہے
اب تو پہلی عشرتوں کا انتظار آنکھوں میں ہے

دیر تک دیکھا کیا میں یہ طلسمِ انقلاب
اور برابر اشک برساتی رہی چشمِ پُرآب،
آتے آتے ظلمتِ شب کی سواری آگئی
شام کے گلرنگ عارض پر سیاہی چھا گئی
ساحرِ فطرت نے افسوں پڑھ دیا گلزار پر
ٹکٹکی باندھی ستاروں نے درو دیوار پر
میں بھی اُٹھا چشمِ تر سے اشک برساتا ہُوا،
آگیا واپس دلِ محزوں کو سمجھاتا ہُوا،

رُومانی لمحہ

شکایت کے مقدّس اشک گھُٹ جاتے ہیں جب دل میں
محبّت کے خنک انوار کو آنکھیں ترستی ہیں
سکوں پاتا ہوں اکثر چاندنی راتوں میں رونے سے
کہ یہ ٹھنڈی پھواریں آتشِ دل پر برستی ہیں

برسات کی ایک چاندنی رات

برکھا کی یہ رُت اور شبِ مہتاب کا منظر
تالاب میں شام کا برسا ہوا پانی

دُھلنے سے فضا خال و خدِ چہرہ رخ نمایاں
میدان کے سینے پہ یہ بارش کی گرانی

لوری کی جگہ اہلِ گلستاں میں ہے رائج
افسانۂ مہتاب شعاعوں کی زبانی

جنگل ہے کہ اک خوابِ زلیخا کا نظارہ
جھونکے ہیں کہ پیراہنِ یوسف کی کہانی

بھیگے ہوئے کھیتوں سے یہ اُٹھتی ہوئی خوشبو
خوشبو سے گراں خواب ہواؤں کی روانی

شاخوں سے یہ ہل ہل کے برستی ہوئی بوندیں
رستوں میں رہ رہ کے جھلکتا ہوا پانی

سوئے ہوئے ذرّات کی آنکھوں میں تبسّم
ہونٹوں پہ خموشی کے محبّت کی کہانی

گردوں سے یہ گرتے ہوئے انوار کے چشمے
مٹّی پہ یہ بہتی ہوئی تاروں کی جوانی

پیڑوں کے لرزتے ہوئے سایوں میں ٹھہر کر
دو [illegible] بھی کافی ہے جوانی

ایک بیوہ کو دیکھکر

بلا کی حسرت برس رہی ہے فضا پہ اک بیکسی ہے طاری
کہیں ہے ارماں کی آہ و زاری کہیں ہے حسرت کی اشکباری

فلک کے ہاتھوں اُجڑ رہی ہے شباب کی پُر بہار بستی
الم کے نرغے میں آ رہی ہے اُمید کی زرنگار بستی

یہ ماتمِ حُسنِ بزم پرور یہ پائمالِ ستم جوانی
یہ زخم خوردہ شبابِ رنگیں یہ پیکرِ رنج و غم جوانی

یہ رنج گردوں گداز اس کا یہ غم جنّت بدوش اسکی
یہ فرطِ گریہ سے خشک آنسو یہ چشم ساغر فروش اسکی

یہ انجمستاں کی جلوہ پاشی یہ اتنی عشرت پناہ راتیں
یہ اسکی فریاد کا تلاطم یہ اس کی لبریزِ آہ راتیں

بنی ہیں باران اشک رنگیں چمن میں برسی ہوئی پھواریں
جگر پہ نشتر لگا رہی ہیں خوشی میں گذری ہوئی بہاریں
دلِ حزیں پر غم و الم کا سیاہ بادل گھرا ہوا ہے
کچھ ایسی قسمت پھری ہوئی ہے زمانہ سارا پھرا ہوا ہے
لباسِ گریہ بدل رہی ہیں خوشی کی راتوں کی داستانیں
سکونِ دل پر کھنچی ہوئی ہیں ہجومِ اندوہ کی کمانیں
قلیل سرمایہ خرچ افزوں زمانہ آنکھیں دکھا رہا ہے
خموش لب تھرتھرا رہے ہیں خیال بچّوں کا آرہا ہے
جہاں کے انبوہِ بیکراں میں نہیں کوئی غمگسار اسکا
ہے آج قسمت کی خوبیوں سے ستمزدوں میں شمار اسکا

تمھاری یاد

بہار کی ایک دوپہر تھی شجر جوانی پہ آ رہے تھے
گلوں کے جھرمٹ پہ مست بھونرے فضا میں حلقے بنا رہے تھے
روش پہ شیشے کی چند ٹکڑے پڑے ہوئے جگمگا رہے تھے
حسین کلیوں کے ننھے سائے جگہ جگہ تھرتھرا رہے تھے
زمانہ محوِ طرب تھا لیکن مجھے تم ہی یاد آ رہے تھے

وہ دشتِ معصوم کی صباحت وہ تابشِ حسنِ بے ریائی
وہ بھیگی بھیگی سی زرد کرنیں پٹی ہوئی دھند سے ترائی
وہ جھیل میں فرش بجلیوں کا وہ گھاٹ پر شانِ دلربائی
وہ دور رنگیں بطوں کے جوڑے وہ چوطرف حاشیے پہ کائی
زمانہ محوِ طرب تھا لیکن مجھے تم ہی یاد آ رہے تھے

وہ صبحِ صادق کی روشنی میں چناب[1] کا بے خبر کنارا

وہ بامِ مشرق سے بارشِ زر وہ رات کا رخصتی نظارا

زمیں پہ شبنم کی جھلملاہٹ فلک پہ ہنستا ہوا ستارا

وہ مسکراتی ہوئی سی موجیں وہ گنگناتا ہوا سا دھارا

زمانہ محوِ طرب تھا لیکن مجھے تم ہی یاد آرہے تھے

وہ چار سو حسنِ برشگالی وہ سرمئی جھومتی گھٹائیں

وہ دشت کے دلفریب دامن میں مست طاؤس کی صدائیں

وہ نرم و نوخیز کونپلوں کی حسین دیوانہ گر ادائیں

وہ دُور تک نرسلوں کا خطہ وہ سنسناتی ہوئی ہوائیں

زمانہ محوِ طرب تھا لیکن مجھے تم ہی یاد آرہے تھے

وہ شامِ رنگیں کہ پھوٹتی تھی نقوشِ فطرت سے زندگانی

طیور نغمے الاپتے تھے نتھر رہا تھا ہوا سے پانی

---

[1] پنجاب کا ایک مشہور دریا ہے۔

وہ چرخ پر سُرخ سُرخ بادل وہ پھول کھیتوں میں آسمانی
زمیں پہ جادو جگا رہی تھی فلک سے برسی ہوئی جوانی
زمانہ محوِ طرب تھا لیکن مجھے تم ہی یاد آ رہے تھے

انتقالِ محبّت

ایک کے ہوتے تمنّا و طلب کی گفتگو
سب بجا! لیکن حدیثِ جذبِ دل ہوتی نہیں
اک طرف سے جب تلک تکمیلِ مایوسی نہ ہو
دوسری جانب محبّت مُنتقِل ہوتی نہیں

خوابِ بیخبری

جمال کار ہیں سورج کی زر فشاں کرنیں
کلی کلی میں ہے فیضانِ جلوۂ سحری

نسیمِ سرد کو شوقِ سجودِ بے سیما
نگاہِ نرگسِ شہلا میں درسِ بیخبری

سیاہ خانۂ شب سے اُٹھی ہے صرصرِ نُور
سکوت زادۂ شب ہے ترانۂ سحری

کہاں ہیں اہلِ تجسس کہ ہو گیا ثابت
مآلِ پردہ نشینی ہے شغلِ پردہ دری

ہر ایک غنچۂ نورس ہے نافۂ مشکیں
عذارِ گل سے ٹپکتا ہے رنگِ فتنہ گری

بدل دیا ہے زمانہ بدلنے والے نے
فغانِ نیم شبی سے ترانۂ سحری

ہر ایک شاخِ گلِ تر ہے تارِ سازِ بہار
دیارِ عقل و خرد ہے رہینِ بے خبری

اُدھر ہے سبزۂ خودرو کا شبنمی پیالہ
اِدھر ہے چشمِ تماشا میں آنسوؤں سے تری

شعورِ مطربِ ساز آزما معاذ اللہ
برس رہے ہیں ہواؤں سے نغمۂ سحری

مرا جنونِ خطا کار سر بسجدہ ہے
ہے کائناتِ محبت خرابِ بے خبری

نگاہِ خلد بداماں ہے بے نیازِ حدود
سرورِ خانۂ دل ہے ہلاکِ جلوہ گری

اتر رہا ہے جگر میں کسی کا ناوکِ ناز
رگوں میں تیر رہا ہے تبسمِ شرری

صنم کدوں میں پجاری ہیں آفتاب بدست
جمال ریز فضا میں ستارۂ سحری

شبابیاتِ گلستاں کی روئداد نہ پوچھ
ہے بے نیازئ فطرت رہینِ جلوہ گری

نگاہِ شوق میں ہے رقصِ تابشِ صد رنگ
شبابِ بیخبری ہے شبابِ بیخبری

تکلفاتِ محبت کا معترف ہے ضمیر
نہیں ہے جلوۂ فطرت شکارِ کج نظری

گیا وہ وقت کہ تھی بارگاہِ خوبی میں
فغاں کی خندہ نوازی دعا کی بے اثری

فدائیانِ محبت پہ جذب طاری ہے
نہ جوشِ جامہ دری ہے نہ ہوشِ بخیہ گری

نہیں ہے قابلِ ترمیم نقش کارئ حسن
حیاتِ قلبِ حزیں ہے ادائے یک نظری

شعاعِ مہر ہے اک مژدۂ حیاتِ جدید
کھلے ہیں رات کے سینہ پہ کاکلِ سحری

یہ حشرِ عشق یہ دوشیزہ حوصلوں کے ہجوم
کمالِ سادہ روی ہیں کمالِ فتنہ گری

وفورِ لالہ و گُل ہے حریفِ سیرِ چمن
قدم قدم پہ ٹھٹکتا ہے توسنِ نظری

ہجومِ غنچہ وشاں ہے، چمن میں محوِ خرام
لطافتوں سے لبالب ہے سینۂ سحری

فرازِ عرش سے بالا ہے فکر کی پرواز
فضائے قدس میں گم ہے تکلّمِ بشری

مگر صدائیں یہ آتی ہیں خلوتِ دل سے
یہ خوابِ بیخبری ہے، یہ خوابِ بیخبری!!

ایک نظریّہ

کل جو انسان تھا آئینۂ تقدیس و وفا
اُس کا برتاؤ تغیّر کا پتہ دیتا ہے
سچ تو یہ بات ہے احسان کہ دولت کا خمار
رحم و انصاف کے جوہر کو ہٹا دیتا ہے

سفر پارہ

(ریل گاڑی میں)

آچکا تھا نصفِ گردوں تک سوارِ آفتاب
لوٹتا تھا سرخ انگاروں پہ گرمی کا شباب

جا رہا تھا میں سہارنپور کو لاہور سے
درسِ عبرت لیکے خوابِ زندگی کے دور سے

مونگ دلتی جا رہی تھی سینۂ صحرا پہ ریل
انقلابی زلزلوں کی رو تھی یا طوفان میل

بے زباں جنگل میں دورِ علم کا اعلان تھا
وجد تھا یا غولِ آہن طاری رقص میدان تھا

کر رہی تھی دم بدم روشن چراغِ انہماک
پٹریوں کے سنگ پاروں کی صدائے سوزناک

بچھ رہے تھے ایسے چپ سادھے سلیپر راہ میں
جس طرح سادھو سنت بیٹھے تان لیں جنگاہ میں

پٹریوں کا ارغنوں تھا گھومتے پہیوں کی گت
چار تالی راگنی سے گونجتی جاتی تھی چھت

یوں نظر آتی تھی حالت چرخِ نیلم تاب کی
جیسے آندھی میں ہلے کائی کسی تالاب کی

کوئلے کے ننھے ننھے ذرہ ہائے نیم جاں
برق رو جھونکوں کے اڑتے دامنوں میں تھے رواں

بن رہی تھی فضائے میداں کی ہوا تپتی ہوئی لو
ہونکتا جاتا تھا انجن پھیلتی جاتی تھی بو

ڈھیل سی لے کی بڑھتی فون کے تاروں کی ڈور — کھیتیوں کے حاشیوں پر ناچتے بچوں کا شور

ہاتھ سے رکھ کر درانتی دُور سے تکتے کسان — مفلسی سے جن کے دل بوڑھے مگر چہرے جوان

بھاگتی پگڈنڈیاں، بہتی ہوئی سی شاہرا — چمچماتی کھڑکیوں پر گلّہ بانوں کی نگاہ

سنسناتے گرم جھونکے دندناتی گاڑیاں — گھومتے باغات، چلتے پُل، جھپٹتی جھاڑیاں

دوڑتے کھمبے، لپکتے کھیت، رم کرتے شجر — چڑھ رہی تھیں گویا شاعر کی نگاہیں سان پر

آ رہی تھی دل سے یہ آواز" اے فطرت شناس

کس قدر نامعتبر ہے عقلِ انساں کا قیاس

دیدۂ حق بیں کو لازم ذوقِ بیداری بھی ہے — لازم اس غفلت سرا والوں کو ہشیاری بھی ہے

محفلِ عالم ہے لبریزِ فریبِ چشم و گوش — ہے پیامِ تشنہ کامی اہتمامِ نائے و نوش

بیقراری ہے سکوں کے دامنِ خاموش میں — خامشی پنہاں ہے فریاد و فغاں کی جوش میں

کر نہ آنکھوں کا یقیں، دنیا کی صورت اور ہے

زندگی کے ذرّے ذرّے کی حقیقت اور ہے

ہولی کی ساحرہ

ایک حسینہ بھولی بھالی الھڑ، چنچل، مدھ متوالی
گورا مکھڑا کالے گیسو چاند پہ جیسے ہالے گیسو
سانسوں میں مدہوش ترانے باتوں میں مخمور فسانے
تیکھی چتون جانِ جوانی مست نظر اعلانِ جوانی
زہد شکن جادوئے تبسّم برق فشانی خوئے تبسّم
پیشانی پر نور کی لہریں نور میں برقِ طور کی لہریں
رخساروں میں ہلکی سُرخی سانس لگی اور جھلکی سُرخی
خاموشی خوابیدہ جادُو نظروں میں رقصیدہ جادُو
بانہیں جیسے حُور کی گردن نورانی بلوّر کی گردن
ساری سبز گلابی چھینٹیں ہوش رُبا عنّابی چھینٹیں

دستِ حنائی میں پچکاری رنگ اڑانے کی تیاری
متوالی رفتار قیامت چھاگل کی جھنکار قیامت
انگڑائی گہوارۂ مستی! ہوش میں اک نظّارۂ مستی
پاس سے میرے ہو کر گذری تخمِ محبت بو کر گذری
ارماں چونکے حسرت جاگی آہیں تڑپیں وحشت جاگی
عشق نے سینے کو گرمایا روح کو چاہت نے تڑپایا
نالے سینے میں گھبرائے آنسو اُمڈے لب تھرّائے

شعلۂ غم کو عریاں دیکھا
طُور کا منظر رقصاں دیکھا

شبابِ چمن

جہانِ آرزو پہ آج فضلِ کردگار ہے ہوائیں نغمہ ریز ہیں فضاؤں میں خمار ہے
چمن کے پھول پھول پر مسرّتِ بہار ہے

ہجومِ شاخسار سے ٹپک رہی ہیں مستیاں بسی ہوئی ہیں چار سو لطافتوں کی بستیاں
شعاعِ مہر زرفشاں نسیم مشکبار ہے

زمینِ گلستاں پہ ہیں جکومتیں بہار کی فضائے سبزہ زار میں جھلک ہے جلوہ زار کی
یہیں کہیں چھپا ہوا وہ جانِ نو بہار ہے

نسیمِ صبح باغ میں پیام کیا سنا گئی فسردگی کی بزم میں شگفتگی سی آ گئی
نشیب پر جھکی ہوئی جبینِ آبشار ہے

ترانہ خواں ہیں بلبلیں سکوتِ گلستاں گیا بہار ہے بہار ہے زمانۂ خزاں گیا
جہانِ بیقرار ایک خوابِ بیقرار ہے

یہ اُودی اُودی بدلیاں یہ زُہد آزما فضا　　خیالِ عاقبت نہ کر کہاں سزا، کہاں جزا!

حیات چند روز ہے شباب مستعار ہے

تڑپ رہا ہے خاک کے جگر میں جذبۂ نمو　　مگر ہے خار اور گل میں باہمی یہ گفتگو

بندھا ہوا خزاں کے ساتھ دامنِ بہار ہے

ایک رخصتی شام

(بلیا میں کہی گئی)

رُخِ شام بے طرح سنولا رہا ہے　　تجلّی پہ ظلمت کا دَور آ رہا ہے

شفق میں گھلی جا رہی ہے سیاہی　　دھواں سا بیاباں پہ منڈلا رہا ہے

یہ معلوم ہوتا ہے ویران گردوں　　زمیں کی طرف کو جُھکا آ رہا ہے

برستا ہے شاخوں سے کاجل ہی کاجل
جو سایہ ہے گہرا ہوا جا رہا ہے

دکھائی نہیں دے رہی عمر گھٹتی
مگر وقت بڑھتا نظر آ رہا ہے

فسوں ایسا پھونکا ہے افسردگی نے
چراغِ بشاشت بجھا جا رہا ہے

خبر دے رہے ہیں تنک تاب ذرّے
ستاروں کے ہنسنے کا وقت آ رہا ہے

ہر اک شے کو کالا کفن دے کے گردوں
اندھیرے کے گنبد میں دفنا رہا ہے

بھینچی جاتی ہیں ظلمتوں سے ضیائیں
فضاؤں کا دل ڈوبتا جا رہا ہے

تجلّی کی ریتی پہ موجیں بچھاتا
اندھیرے کا دریا چڑھا آ رہا ہے

سفر سے تھکی نہر کے آئینے ہیں
درختوں کا فوٹو لیا جا رہا ہے

ہے جھونکوں کی رفتار سے صاف ظاہر
ہواؤں کو دھندلا نظر آ رہا ہے

یہ بسلی ہوئی جھاڑیوں میں ہیں جھینگر
کہ جنگل کوئی راگنی گا رہا ہے

ہے ڈوبا ہوا سوچ میں ذرّہ ذرّہ
سمجھ میں مگر کچھ نہیں آ رہا ہے

(ناتمام)

تاثراتِ نغمہ

مرحبا اے مطربِ سرمایہ دارِ بیخودی — تیرا نغمہ ہے شرابِ خوشگوارِ بیخودی

زمزمے کی ہر لچک ہے چشمکِ برقِ جمال — لحن کی انگڑائیاں ہیں زندگی کے خدوخال

مستیاں کیا کیا ہیں تیرے ساغرِ سرشار میں — وجد ساماں ہے کوئی ہر تار کی جھنکار میں

ہر رگِ بیتاب میں ہے لہر سی آئی ہوئی — گلشنِ دل پر ہے نکہت کی گھٹا چھائی ہوئی

عارضِ فطرت پہ ہے ہلکی جبیں کی نقاب
گونج کا پردہ اٹھا دے کاش لیلائے رباب

ٹھاپ سے دھُرپت کے جب ہوتے ہیں نغمے بیقرار — کروٹیں لیتا ہے سینے میں سرودِ جوئبار

رفتہ رفتہ کھُلنے لگتے ہیں رموزِ کائنات — راگنی مشعل دکھاتی ہے سرِ قصرِ حیات

تیرتی ہے بحرِ مستی میں نگاہِ بیقرار — گونجتے ہیں دل کی وادی میں سُریلے آبشار

[illegible] ایک گت کا نام ہے۔

نغمے جب تانوں کے طیاروں میں ہوتے ہیں بلند
پھینکتی ہے روح بامِ عشق پر اپنی کمند

چوٹ کھاتا ہے جہاں مضراب سے بربط کا تار
چونک چونک اٹھتے ہیں دل کے ولولے بے اختیار

آسمانوں کی بلندی سے یہ آتی ہے صدا
مرحبا اے باربد انداز تجھ پر مرحبا

زلفِ موسیقی جب اڑتی ہے ہوا کے دوش پر
بیخودی کیا کیا مچلتی ہے بساطِ ہوش پر

زمزمے ہر تار سے اٹھتے ہیں تھراتے ہوئے
دل میں آکر جذب ہو جاتے ہیں بل کھاتے ہوئے

گلشنِ احساس میں رنگینیاں پاتا ہوں میں
حسن کی گلپوش وادی میں اتر جاتا ہوں میں

تان کو لیکر جو پنچم میں پہنچ جاتا ہے تو
روح میں بالیدگی کی لہر دوڑاتا ہے تو

ہر طرف ہوتا ہے برپا محشرِ تقریرِ دوست
جھلملاتی ہے نظر کے سامنے تصویرِ دوست

دل پہ چھا جاتا ہے متوالی بہاروں کا سماں
جھومتا ہے ابر بھی پی کر شراب ارغواں

پھرتی ہے بادِ صبا مستی میں سر دھنتی ہوئی
رونے والے عاشقوں کی ہچکیاں سنتی ہوئی

موجزن ہوتا ہے کیفِ بیخودی نزدیک و دور
ذرے ذرے سے ابل پڑتا ہے دریائے سرور

دل یہ کہتا ہے اسی جنت میں گُم ہو جایئے
بر سگالِ نغمۂ پُر کیف میں کھو جایئے

ایسی متوالی فضا میں جھومتا پھرتا ہے حُسن
اشکبار آنکھوں کے آنسو چومتا پھرتا ہے حُسن

کسان

فضا ویران ہے گرمی کی شدت ہے زمانے میں
مگر مصروف ہیں بیچارے دہقاں ہل چلانے میں
یہ انساں پھلیاں اُبھری ہوئی ہیں جن کے شانوں پر
ہے مُہرِ آدمیت اُن کی زریں داستانوں پر،
دلِ بجرو ح میں امید کی تابانیوں والے
کڑکتی دھوپ میں تپتی ہوئی پیشانیوں والے

یہی دہقاں چلاتے ہیں جو ہل بنجر زمینوں میں
چراغ آرزو سے دل ہیں روشن ان کے سینوں میں
یہ وہ انساں ہیں دامانِ مشقت میں جو پلتے ہیں
جہاں سوتا ہے اور یہ آبیاری کو نکلتے ہیں
ابھی ہوتا نہیں کچھ ذکرِ "ہو حق" پارساؤں میں
جدا بچوں سے ہو جاتے ہیں یہ تاروں کی چھاؤں میں
انھیں پایا ہے گاتے اس گھڑی سنسان راہوں میں
خموشی ہوتی ہے جب شہریوں کی خوابگاہوں میں
فضا سرشار جب ہوتی ہے ساون کے ترانوں سے
کوئی پوچھے تو ان کا کیف ان بھولے کسانوں سے
برستے بادلوں میں کھیتیاں جب لہلہاتی ہیں
تو ان کی آرزوئیں جھومتی ہیں مسکراتی ہیں

زباں سے اِن کی شکرِ ایزدی سو بار ہوتا ہے
خدا کے نام سے ہر وقت ان کو پیار ہوتا ہے
یہاں آتی ہیں لیکر قسمتیں کاسہ گدائی کا
جہاں محتاج ہے ان کے پسینے کی کمائی کا
انھیں کے بازوؤں سے ہیں بہاریں گلستانوں کی
انھیں کے دم سے ہے تعلیم جاری نوجوانوں کی
انھیں فاقہ سے گھبرائے ہوؤں میں پارسائی ہے
انھیں ڈوبے ہوؤں کے دم سے زندہ ناخدائی ہے

مغنیّہ

احسان میں حیراں ہوں کہ یہ پیکرِ تنویر — بہزاد کی تخلیق ہے یا صنعتِ مانی
یہ عارضِ گلرنگ پہ مچلے ہوئے گیسو — آنکھوں سے برستی ہوئی صہبائے جوانی
یہ اوٹ میں آنچل کی تڑپتے ہوئے جلوے — افسانۂ خورشید ستاروں کی زبانی
یہ سینۂ سیمیں، یہ چھلکتے ہوئے بازو — یہ حسن کے سنگم پہ بکھرتا ہوا پانی
ہر تارِ نفس بر لبِ زہرہ کا ترانہ — ہر موجِ نظر موجۂ صہبا کی روانی
جھرمٹ میں سے پلکوں کے یہ چھنتی ہوئی مستی — گنگا کے کناروں پہ یہ چھلکا ہوا پانی
یہ چشمِ سخن ساز کے ذی روح اشارے — برسات کی راتوں میں محبّت کی کہانی
معراجِ صنم سازی و تکمیلِ ترنّم — نقّاش کا اعجاز ہے شاعر کی جوانی
گفتار میں وہ رنگ کہ سرشارِ سماعت — رفتار وہ سرمست کہ بہتا ہوا پانی
احسان خجستہ وقت کہ ہر دیدۂ دل باز — اور بھیس میں عورت کے ہے فطرت کی جوانی

نغمۂ راحت

مرغزارِ آرزو میں ہے بہار آئی ہوئی
حُسنِ فطرت کی جہاں میں کارفرمائی ہوئی

دلنشیں تانوں میں گُم ہیں نغمہ سنجانِ چمن
زلفِ موسیقی فضاؤں میں ہے لہرائی ہوئی

دہر کی ہر شے جواں معلوم ہوتی ہے مجھے
ہے تخیل پر مسرّت کی گھٹا چھائی ہوئی

مسکراہٹ نیم وا غنچوں کی ہے اختر فروش
ہر چمن زادی پہ ہے دوشیزگی چھائی ہوئی

ہر روش پہ ہے نگاہوں کو گمانِ میکدہ
جو نظر اُٹھتی خمار آلود انگڑائی ہوئی

ساقیٔ فطرت نے کھولا ہے درِ میخانہ آج
رندِ عالی ظرف کو ہر پھول ہے پیمانہ آج

غازہ افشاں ہے چمن میں حُسنِ عریانِ بہار
ہر کلی میں کروٹیں لیتا ہے طوفانِ بہار

جھومتے ہیں پی کر آنکھوں سے شرابِ حسنِ گل
اے جزاک اللہ شغلِ میگسارانِ بہار

اوس میں بھیگے ہوئے نغمات ہیں مینا بدوش
کوئی دیکھے تو بہارِ ساغرستانِ بہار

مست سبزہ، بیخبر کلیاں، گریباں چاک گُل
یہ بہارِ گلستاں ہے یا گلستانِ بہار

مجھ پریشاں کی پریشانی زمانے کو نصیب
دل پریشانِ ضیاء، آنکھیں پریشانِ بہار

منعقد ہے جشنِ فطرت حسبِ منشائے اُمید
ذرّے ذرّے میں جھلکتی ہے تجلّائے اُمید

مطربِ فطرت نے چھیڑا اس طرح سازِ چمن
ہو گئے محوِ ترنّم نغمہ پردازِ چمن

کھل گئے معصوم کلیوں کے لبِ نکہت فروش
پتّے پتّے سے چھلکٹ ڈی کو ہے رازِ چمن

یہ شمیمِ نو سے بادِ صبحگاہی ہمکنار
ہیں نظر افروز گُل، پروردۂ نازِ چمن

ذرّے ذرّے کی جبیں ہے جلوہ گاہِ حسنِ دوست
پتّی پتّی ہے گواہِ آئینہ سازِ چمن

چاندنی کے پھول ہیں یا سو رہی ہے چاندنی
نرگسِ حیراں ہے یا چشمِ نظر بازِ چمن

سُن رہا ہوں اک ترنّم پوشِ پیغامِ نشاط
اللہ اللہ یہ نشاط انجامِ نشاط

دیہات کی شام

سُرخ مے برسا رہا تھا شام کا رنگیں شباب
جُھک رہا تھا دُور کھیتوں کے کنارے آفتاب

سرنگوں تھیں ٹہنیاں شرما رہے تھے سبزہ زار
آ رہی تھیں نیند کی پریاں ہواؤں پر سوار

دامنِ شب میں چھپی جاتی تھی فطرت کی اُمنگ
چھڑ رہی تھی آبشاروں میں سُہانی جلترنگ

آ چکی تھیں گاگریں بھر کر حسیں پنہاریاں
اُٹھ رہا تھا گاؤں کے کچّے مکانوں سے دھواں

بند کیں ذرّوں نے آنکھیں اور لہریں رک گئیں
رفتہ رفتہ شام کی دیوی کی پلکیں جھک گئیں

راستوں میں ظلمتوں کے سانپ بل کھانے لگے
مست چرواہے چراگاہوں سے گھر آنے لگے
آسماں کے سُرخ جلوؤں پر سیاہی آ گئی
جھٹپٹا سا ہو کے عالم پر اُداسی چھا گئی
اوڑھ کر اک قیرگوں چادر بیاباں سو گیا
سبز کھیتوں پر خنک سایہ مسلّط ہو گیا
عالمِ ایجاد پر افسردگی چھانے لگی
جھونپڑوں سے دودھ دُوہنے کی صدا آنے لگی
خامشی پر رنگ آیا شورشِ عالم گئی
آسماں پر انجمِ تاباں کی محفل جم گئی
شام کے اندھیر میں دن کا اُجالا کھو گیا
آگ کے چوگرد دہقانوں کا جمگھٹ ہو گیا

ہالیوں کو مل گیا دن بھر کی محنت سے فراغ
ٹمٹمایا گاؤں کی چوپال میں دھندلا چراغ
مشورے ہونے لگے نشو و نما کے باب میں
سادہ خاطر بہ چلے تقریر کے سیلاب میں
یہ وہ ہیں جن پر تغافل کارگر ہوتا نہیں
جن کے دل میں کبر و نخوت کا گذر ہوتا نہیں
جن کی گردِ رہگذر ہے غازۂ روئے بہار
جن کا شانہ روز سلجھاتا ہے زلفِ روزگار
جن کی فطرت سے ہوسناکی ہے فرسنگوں پرے
شہریوں سی جن کے کھوٹے بھی نکلتے ہیں کھرے
بازوؤں پر جن کے نازاں فطرتِ گلشن طراز
کاوشوں سے جن کی حسنِ انجمن مائل بہ ناز

واہ رے دیہات کے سادہ تمدّن کی بہار
سادگی میں بھی ہے کیا کیا تیرا دامن زر نگار
دل یہ کہتا ہے فراقِ انجمن سہنے لگوں
شہر کی رنگینیاں چھوڑوں یہیں رہنے لگوں

تجربہ کے بعد

کہوں کیا رُوداد شہرِ لاہو
یقیں مایوس، اُمیدیں مذبذب
تجارت پر ہر اک شے کی ہے بنیاد
جنونِ عشق ہو یا جوشِ مذہب

پاگل خانہ

بریلی کا دیوانہ خانہ عجب ہے، نظارے سے ہے عقلِ انسان حیراں
تحیّر کے یہ سانس لیتے مرقعے تذبذب کے ذی روح نقشِ خراماں
نگاہوں میں بہکی ہوئی رازداری جبینوں پہ وحشت کے خاموش طوفاں
لبوں پر قیامت کے مبہم سے فقرے، زباں پر حقیقت کی بے ربط عنواں
نہ سجدے کی خوگر، نہ پوجا کے عادی، نہ دیر و حرم کے فسانوں پہ ایماں
نہ بیزارِ غم ہیں نہ جویائے راحت، نہ یزداں کے قائل نہ مائل بہ شیطاں
نہ پھولوں سے رغبت، نہ کانٹوں سے نفرت بیاباں کی خواہش نہ ذوقِ گلستاں
سحر کی تمنّا، نہ شب کی امیدیں، نہ دنیا کی حسرت، نہ عقبیٰ کا ارماں
تکبّر سے ناآشنا خود شناسی، لباسوں سے بیزار اجسامِ عُریاں
خودِ خموشی، نہ جوشِ تکلّم، خموشی خموشی غزلخواں غزلخواں

کوئی ان میں تا وسعتِ ظرفِ خرّم، کوئی ان میں آزاد تا حدِّ امکاں
تمدّن کے خادم، نہ مذہب کے بندے، غلامِ عبادت، نہ پابندِ عصیاں
کوئی پا شکستہ، کوئی پا بہ صرصر، کوئی پا بہ جادہ، کوئی پا بجولاں
کوئی سر بسجدہ، کوئی سر بہ زانو، کوئی سر گراں، کوئی سر در گریباں
نہ ادراکِ مستی، نہ احساسِ ہستی، نہ گرمی سے ترساں، نہ سردی سے لرزاں
جدھر چل پڑے ہیں چلے جا رہے ہیں، کبھی خنداں خنداں، کبھی گریاں گریاں
بدلتا نہیں اس جگہ وقت کروٹ، یہاں عالمِ دوش و فردا ہے یکساں
یہ وہ سرزمیں ہے کہ اس سرزمیں پر، نہ گردوں کی گردش، نہ ادوارِ دوراں
جو ہنسنے پہ آئیں تو ہنستے ہی جائیں، جو بپھریں تو طوفانِ صد برق و باراں
جو دھمکائیے تو پلک تک نہ جھپکے، جو چمکاریئے تو گریزاں گریزاں
ہے میدانِ قلب و نظر صحنِ گردوں، خطِ کہکشاں جادۂ جذب و عرفاں
ستارے ہیں راہِ تخیّل کے ذرّے، کھلونا ہے ادنیٰ سا ماہِ درخشاں

یہ مستی سے چھنتی ہوئی ہوشداری، خرد مندیوں سے تغافل نمایاں
سپید و سیاہِ دو عالم سے بالا، یہ بیداریاں ہیں کہ خوابِ گریزاں
درختوں کے سایوں سے کرتے ہیں باتیں، وہ باتیں نہ پائے جنھیں فہمِ انساں
قدم لے رہے ہیں سلاسل کے نغمے، چلے جا رہے ہیں خراماں خراماں
کبھی بے نیازی کے دلسوز تیور، کبھی جاں نثاری کی شمعیں فروزاں
مسرت کے اعجاز گلشن بہ گلشن، غم و رنج کا جوش طوفاں بہ طوفاں
وہ تحریر پتھروں پہ ٹھہرا رہی ہے بخطِ جنوں سحر و افسوں بداماں
جسے آج تک پا سکے ہیں نہ پائیں، فنونِ لطیفہ، علومِ فقیہاں
الجھتے ہیں آپس میں جب کوئی دیکھے وہ تیور غضبناک و بیباک و عریاں
بڑے کورے کورے، بڑے تیکھے تیکھے، بڑے کڑوے کڑوے، بڑے سوزاں سوزاں
کوئی مثلِ مزدور محوِ مشقت، کوئی سر بسر کارسازِ گلستاں
کسی کی احاطہ تلک راہ گردی، کسی کی حدیں تا بہ دیوارِ زنداں

صدا بزمِ احساس سے آرہی ہے تماشا نہیں ہے، یہ اے خام انساں

ہے بیدار دل کیلئے درسِ عبرت، یہ انبوہِ نسیان و سیلابِ ہذیاں

من و تو سے جو جس قدر بے خبر ہے اسی درجہ ہیں مشکلیں اُس کی آساں

جنوں جس کا کامل ہے وہ مطمئن ہے، خرد جس کی ناقص پریشاں پریشاں

جہاں میں تھا

اُسی وادی میں تم اب دہ پیما ہو جہاں میں تھا
زمانے کی بھری محفل میں تنہا ہو جہاں میں تھا

مری کوتاہ بینی اب تمہیں فطرت نے بخشی ہے
وہاں اب تم بھی پابندِ تمنا ہو جہاں میں تھا

مجھے طعنے دیا کرتے تھے لیکن خیر سے تم بھی
اُسی منظر میں مصروفِ تماشا ہو جہاں میں تھا

یہ ضبطِ غم کی بخشش ہے مقدر کے کرشمے ہیں
تمہاری بھی وہی لے دیکے دنیا ہو، جہاں میں تھا

بیگانۂ انجام

ایک دوشیزہ کو دیکھکر

یہ دوشیزہ جو ہے محفوظ ہاتھوں سے زمانے کے
نہ کیونکر مسکرائے ہیں یہی دن مسکرانے کے

جبیں پہ تمتماہٹ سرخ ڈورے چشمِ میگوں میں
نگاہیں سر بسر ڈوبی ہوئی نازوں کے افسوں میں

لبِ لعلیں میں بیکل آرزوئیں گلفشانی کی
حریمِ ناز میں ضو ریز قندیلیں جوانی کی

بھرے شانوں پہ زلفِ مشکبو کا دَور دَورہ ہے
سرِ بزمِ طرب جام و سبو کا دَور دَورہ ہے

فضا شاداب ہے اس حور وش کی بے نقابی سے
ادائیں اُٹھ رہی ہیں سو کے خوابِ ماہتابی سے

رُخِ رنگیں پہ ہے دہکی ہوئی سرخی بہاروں کی
تبسم ہے کہ چکر میں ہے تابانی ستاروں کی

تکلم بربطِ داؤد کے جوہر دکھاتا ہے
سکوتِ دلنشیں تسکین کے دریا بہاتا ہے

اکیلی شرم ہے سو شوخیوں کی پاسبانی میں
مسرت کھیلتی ہے اس کے دامانِ جوانی میں

گھنی زلفوں سے وا ہے بابِ میخانہ فضاؤں پر
مسیحائی فدا ہے اس کی افسونگر اداؤں پر

یہ کیا جانے ابھی دلدوز باتیں کیسی ہوتی ہیں
یہ کیا جانے ابھی مجروح راتیں کیسی ہوتی ہیں

ابھی یہ التماسِ دل کی مجبوری کو کیا جانے؟
نشاطِ قرب کیا سمجھے غمِ دوری کو کیا جانے؟

یہ کیا جانے ابھی سوزِ نہانی کس کو کہتے ہیں
یہ کیا جانے کہ اندوہِ جوانی کس کو کہتے ہیں

ابھی واقف نہیں یہ عشق کی پُر ہول راہوں سے
ابھی ہے پاک اس کا دامنِ عصمت گناہوں سے

یہ کیا جانے کہ پردے میں خوشی کے غم بھی ہوتا ہے
رسیلی راگنی کی اوٹ میں ماتم بھی ہوتا ہے

یہ کیا جانے کہ آتی ہے خزاں چھپ کر بہاروں میں
بسر کرتے ہیں کانٹوں پر شگوفے لالہ زاروں میں

یہ کیا جانے کہ فریادوں کے مسکن ہیں ترنّم میں
یہ کیا جانے کہ غم پلتا ہے آغوشِ تبسّم میں

نشیلے زمزموں کے ساتھ ہی آتی ہیں آہیں بھی
یہ مقصد ہے کہ جو دن کو ہنسیں شب کو کراہیں بھی

جو انساں ہو گیا آگاہ انجامِ مسرّت سے
قسم ہے تھرتھرا جاتا ہے وہ نامِ مسرّت سے

سیلابِ بہار

خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں بزمِ امکاں میں
بہار آئی گلستاں میں، بہار آئی گلستاں میں

کھِلے غنچے خوشی کی لہر دوڑی سبزہ زاروں پر
شعاعِ مہر نے وہ پھلجھڑی چھوڑی گلستاں میں

کھُلے گردوں پہ رنگین بدلیوں کے دلنشیں پرچم
بچھا سبزے کا فرشِ مخملی کوہ و بیاباں میں

نہیں ہیں سبزۂ صحنِ چمن پر اوس کی بوندیں
ہوئی ہے موتیوں کی رات بھر بارش گلستاں میں

بسی ہے خاک کے ذرّوں میں دنیا شادمانی کی
تبسّم تُل رہا ہے پھول کے رخسارِ تاباں میں

ترے قرباں اے صبّاغۂ فطرت کی صنّاعی
تڑپتے ہیں ہزاروں عکسِ رنگیں شبنمستاں میں

تخیّل عرش پیما ہے، دل منوّر، عالمِ مستی
نگاہِ شوق ہے ڈوبی ہوئی انوارِ تاباں میں

نمایاں ذرّے ذرّے سے ہے اک اندازِ جانانہ
پڑی ہیں جنّتیں بکھری ہوئی کوہ و بیاباں میں

ترے قرباں اے نقّاشِ گلشن کی ادا کاری
شبِ عشرت کا نقشہ کھنچ گیا ہے شامِ ہجراں میں

جھکا جاتا ہے مدہوشی میں سر خاکِ گلستاں پر
دبا جاتا ہوں فطرت کی نوازشہائے پنہاں میں

کیفستانِ سحر

صبح کا پیارا سماں ہے کس قدر کیف آفریں
جنّت الفردوس سے بڑھکر ہے پہنائے زمیں

خامشی میں مسکراہٹ ناز فرمانے لگی
تیرگی کے دل سے پھوٹے روشنی آنے لگی

اُٹھ رہی ہے خود بخود انوارِ مشرق سے نقاب
چاند کے جلوؤں کی پھیکی پڑگئی ہے آب و تاب

اُڑ رہا ہے گنبدِ مشرق میں نورانی غبار
زلف بکھرائے ہوئے پھرتی ہے گلشن میں بہار

پتّے پھولوں کے پسینے کو ہوا دینے لگے
زمزمے ہر ساز پر انگڑائیاں لینے لگے

تیرگی میں سینکڑوں جلوے نمایاں ہو چلے
تان کر تنویر کی چادر ستارے سو چلے

ہر گلِ نورستہ خوشبو کا امانت دار ہے
ہر کلی اب مسکرانے کیلئے تیّار ہے

وہ اندھیرا، رات جو میداں میں تھا چھایا ہوا
ہے درختوں کی گھنی شاخوں میں تھرّایا ہوا

نورِ ظلمت کے تعاقب میں ہے سرگرمِ خرام
لے رہی ہے روشنی تاریکیوں سے انتقام

ناچتی پھرتی ہے شبنم کے ستاروں پر نسیم
چھا گئی ہے باغ پر پھولوں کی جاں پرور شمیم

منکشف کر اے فسونِ کیف رازِ زندگی
چھیڑ اے مضرابِ یادِ دوست سازِ زندگی

سینۂ دریا پہ موجوں کی صفیں ڈھلنے لگیں
نرم رو جھونکوں سے ترچھی قینچیاں چلنے لگیں

حسنِ فطرت کی نظارے دل کو تڑپانے لگے
صبح کے دامن میں چشمے بھیرویں گانے لگے

ہلکی ہلکی سانس سی لینے لگیں پھلواڑیاں
ہو گئیں گلشن میں ہر سو کیف کی موجیں رواں

ہر شعاعِ مہر آ کر ہو رہی ہے سربہ خم
بن رہا ہے گلستاں کا گلستاں بابِ حرم

دل کی شریانوں میں ساری ہو رہی ہے بیخودی
عرش سے تا فرش طاری ہو رہی ہے بیخودی

بڑھ رہی ہے لحظہ لحظہ جرأتِ قلب و جگر
روح کرتی ہی اشارے حسبت بھرتی ہے نظر

آسماں پر سادگی ہے خاک پر گلکاریاں
مندروں میں نالۂ ناقوس مسجد میں اذاں

ہوتے ہوتے بیخودی سی مجھ پہ طاری ہو گئی
رفتہ رفتہ میری بینائی کی دنیا سو گئی

شامِ کلیسا

ایک دن احسانؔ میں سیرِ چمن سے لوٹ کر آ رہا تھا ہاتھ سے تھامے ہوئے زخمی جگر

دُور بانغوں کے تلے خورشید چھپ جانے کو تھا بزمِ عالم میں دھندلکا جال پھیلانے کو تھا

ہو رہی تھی رفتہ رفتہ دن کی پھیکی روشنی خیمۂ شب تن رہا تھا جا رہی تھی روشنی

وہ ہوائے سست اور وہ اونگھتی سی جھاڑیاں وہ زمیں کی گرم سانسیں سرد کھیتوں میں رواں

ہوتا جاتا تھا مکدّر جلوۂ روئے چمن ہلکی ہلکی ظلمتوں سے ننھی ضیاؤں میں شکن

باغچہ کے حاشیے پر ٹہنیوں کے درمیاں مضطرب مکڑی کی جالوں میں تھیں سوکھی تیتریاں

منڈروں پر تھا اُترتی دھوپ کا رنگیں جمال شام کے کاندھے پہ تھی اک جوگیا ریشم کی شال

میں پریشاں حال، محرومِ طرب، حرماں نصیب
آتے آتے آگیا جس وقت بستی کے قریب

یک بیک نزدیک گرجا میں گجر بجنے لگا خامشی ٹوٹی، نظر چونکی، ہلا قلبِ فضا

چھا گئی ایسی دماغ و دل پہ آوازِ گجر — کھنچ کے میں احسانِ کلیسا تک گیا با چشمِ تر

تھا کہاں پند و نصائح کی طرف میرا خیال — یہ جنونِ پاک اور مجھکو سراسر ہے محال

بزمِ محسوسات تھی یا اک ثباتِ بے ثبات — جھک چکا تھا آستانِ موت تک فرقِ حیات

بادۂ عرفاں میں تھے ڈوبے ہوئے قلب و جگر — اُڑ رہی تھی بھینی بھینی نکہتِ جادو اثر

کیف رنگیں اسطرح کچھ مل رہا تھا روح میں — سادہ پانی میں گلابی رنگ کی جیسے رگیں

جستجو کے سامنے تھا کعبۂ ابروئے دوست — آنکھ تھی محوِ تحیر اور دل تھا سوئے دوست

رونما تھا سینۂ سوزاں میں گلزارِ خلیل — ڈوبتے سورج کا جیسے جھیل میں عکسِ جمیل

بجلیاں تھیں خرمن میں رقصاں جگر میں درد تھا — آئینۂ جذبات کلی نا آشنائے گرد تھا

پیکرِ صد نغمہ تھا مضرابِ سازِ آرزو — آ رہی تھی سانس میں پیراہنِ یوسف کی بو

بیخودی کے نام سے اک کیفِ نامعلوم تھا — حافظہ کے سامنے اک جلوۂ معصوم تھا

بن رہے تھے اشک ڈھل کر غم کے سانچے میں لہو — ڈھل رہی تھی آبِ حیواں سے جبینِ جستجو

جسم کا ہر رونگٹا خلاق کا مداح تھا — وہ کلیسا تھا کہ صیقل خانۂ ارواح تھا

خلوتِ دل میں کوئی تشریف فرما تھا ضرور عاجزی پرورنہ مائل ہو نہیں سکتا غرور
تل رہی تھی آنکھ کی پلکوں میں جنسِ خونِ دل آ لگا تھا میں خود اپنی شاہ رگ کے متصل

نغمۂ پرسوز سے دھندلی فضا میں تھا گداز
ظلمتِ تخئیل میں تابندگی تھی محوِ ناز

آئی اتنے میں مرے پہلو سے ہلکی سی صدا کس جگہ آ کر مرے بھولے مسافر کھو گیا

ہوشیار اے معبدِ مشقِ تصوّر کے اسیر
آئینہ تجھ کو دکھاتا ہے ترا حُسنِ ضمیر

اُجڑی ہوئی بستی

(پولینڈ کی ایک تصویر کو دیکھکر) (فرمائشی)

ہمنشیں پولینڈ کی بربادیاں ہیں سامنے
جنگ سے اُجڑی ہوئی آبادیاں ہیں سامنے

گرچہ تصویروں میں کھنچ سکتے نہیں وہ خدّ و خال
جن کے تیور سے مرتّب ہو سکیں ماضی و حال

پھر بھی لیکن کچھ نہ کچھ معلوم کر لیتا ہے دل
خود نمایاں صورتِ مفہوم کر لیتا ہے دل

ہر طرف ہے یاس و حرماں کی گھٹا چھائی ہوئی
زلفِ بربادی ہے آبادی پہ لہرائی ہوئی

خامشی کے رنگ میں کہرام آبادی کا ہے
ہر طرف اک خونچکاں انجام آبادی کا ہے

رونما ہے سرد سنّاٹوں میں نغموں کا مآل
یادگارِ گرمیٔ محفل ہے محفل کا خیال

ہر کھنڈر افسانۂ بے لفظ ہے تعمیر کا
نوحہ خواں ہے وقت اپنے خواب کی تعبیر کا

[illegible] گئی
[illegible] آگے زبانِ عشق سِل کر رہ گئی

[illegible] اینٹوں کے انباروں کے نیچے محوِ خواب
گنگ ہیں ہونٹوں کی شہنائی تکلم کا رباب

اب عبادتگاہیں باقی ہیں نہ عصیاں کی بساط
سو گیا ویرانیوں کی گود میں شورِ نشاط

سجدۂ جاوید میں مصروف ہیں قصرِ بلند
مُنہ کے بل گر کر نہیں اُٹھے تمدن کے سمند

اب مغنی کی نوائیں ہیں نہ سازوں کا خروش
زمزموں کی لاش پھرتی ہے لئے بادِ خموش

چاٹتا ہے خاک تہذیب و تموّل کا کمال
مُہر بر لب ہے گرجتے کارخانوں کا جلال

پاؤں یار آور درختوں کے اُکھڑ کر رہ گئے
شاہراہوں کے دلوں میں زخم پڑ کر رہ گئے

وہ فضا جو رشکِ جنت تھی نظر کے واسطے
ہے سراپا گوش آوازِ بشر کے واسطے

حال آئینہ ہے ماضی کی چمن آرائی کا
لوٹتا شہکار ہے فطرت کی بے پروائی کا

اب بھی برساتا ہے مہتابِ درخشاں چاندنی
پہلے تھی آباد لیکن اب ہے ویراں چاندنی

کشتِ شب میں روز کھلتے ہیں ستاروں کے گلاب
اب کہاں لیکن زمیں پر مسکراہٹ کا جواب

اب بھی لاتی ہیں گھٹائیں شادمانی کا پیام
لیکن اب میخانے باقی ہیں نہ ساقی ہے نہ جام

پرچمِ زر لیکے صبحیں حشر تک آیا کریں
لاکھ اب شامیں شفق کے پھول برسایا کریں

موسمیں لے لیکے آئیں لاکھ پیغامِ بہار
راتدن تقسیم ہوں رنگ و نوا کے اشتہار

جس قدر چاہے نسیمِ صبح لہرایا کرے
مسکرائیں پھول شبنم عطر برسایا کرے

چاہے جتنے گل کھلائیں کوہساروں کے شباب
مشکبو نغمے لٹائیں آبشاروں کے رباب

لاکھ ناہید ابدف مہتاب پر گایا کرے
کہکشاں زرکار پیٹی باندھ کر آیا کرے

تھا یہ سب جن کیلئے وہ قافلے والے گئے
حُسن کے جلوے سدھارے عشق کے نالے گئے
ان سے جو جادو جگاتے تھے وہ ساحر سو چکے
یعنی وہ ہنگامے نذرِ جنگِ جرمن ہو چکے

کیفِ برشگال

وہ دن بھولا نہیں احسانؔ اب تک | کہ گردوں پر اندھیرا چھا رہا تھا
بیاباں پر جوانی آ رہی تھی | جوانی پر بیاباں آ رہا تھا
گھٹاؤں کے شفق گوں دامنوں پر | سنہری اژدہا لہرا رہا تھا
گرجتے تھے جو ہیبتناک بادل | غرورِ زندگی تھرّا رہا تھا
ترنّم ریز تھیں پتّوں پہ بوندیں | جہاں کا ذرّہ ذرّہ گا رہا تھا
محبت کا زمانہ خواب بن کر | دلِ بیتاب کو یاد آ رہا تھا
تمنّاؤں سے جذبِ شوقِ دیدار | نگاہوں میں سمٹ کر آ رہا تھا
نظر میں بیخودی سی چھا رہی تھی | تخیّل میں تموّج آ رہا تھا
ہر اک بھیگا ہوا جھونکا ہوا کا | شمیمِ زلفِ مشکیں لا رہا تھا
گھنے باغوں میں سنّاٹے کا عالم | نکاتِ زندگی سمجھا رہا تھا

انانیت کے پردے اُٹھ رہے تھے　　خدا کا نام لب پر آ رہا تھا

مجھے جذباتِ رنگیں کا سفینہ　　نہ جانے کس طرف لیجا رہا تھا

دلِ حساس پر شب رنگ بادل　　نشیلی روشنی برسا رہا تھا

درختوں کے تلے اک جھونپڑی میں　　کوئی شیریں نوا یہ گا رہا تھا

جہاں را ترک کردم شاد گشتم

ز قیدِ رنج و غم آزاد گشتم

ایک احسان فراموش شاعر سے

اے دشمنِ عقل و دیں اے ننگِ قدح کوشی

ذرہ کی تنک تابی، خورشید سے ہمدوشی

انجام پہ بھی اپنے ڈالی ہے نظر تو نے؟

کمظرفی ہے کمظرفی، احسان فراموشی

ۃ تلمیح

ایک گزشتہ چاندنی رات کا تصوّر

چاند کی تھی چودھویں شب پر بہار آئی ہوئی
دل کے ہر گوشہ میں تھی بجلی سی لہرائی ہوئی

چھن رہی تھی آسمانوں سے ضیائے برقِ طور
خاک کے ذرّات میں دوڑی ہوئی تھی موجِ نور

حسن دامنگیرِ دل تھا جگمگاتی ریت میں
چپ تھیں نظریں چاند کے سیمیں سہانے کھیت میں

چاندنی کا دیوتا تھا موج میں آیا ہوا
مطمئن جلوہ تھا فرش و بام پر چھایا ہوا

خواب کے طوفان منڈلائے ہوئے تھے چارسو
چاندنی حیرت تھی اور چاند آئینہ تھا ہوبہو

کیفیت سبزے پہ تھی یہ شبنمِ بیتاب کی
جس طرح بارش ہوئی ہو دیر تک سیماب کی

روشن و معصوم جلوے تھے ہوا کے دوش پر
بارشِ الہام تھی شب کے دلِ خاموش پر

چل رہی تھی اس ادا سے نرم سبزے پر ہوا
جیسے تنہائی میں یاد آئے کوئی سیمیں لقا

آ رہی تھی یوں گھنی شاخوں سے چھن کر چاندنی
بن گئی تھی باغ میں فرشِ مشجّر چاندنی

کہکشاں تھی نیم وا کلیوں کے جھرمٹ پر نثار
منہ کھلے سوتے تھے سارے نازنینانِ بہار

تھی فضا میں چاند سے برسی ہوئی سرمستیاں
غسل کر کے نور میں نکھرا ہوا تھا آسماں

شام تک اُڑ اُڑ کے تھک کر کیف میں کھوئی ہوئیں
جا بجا تھیں ٹہنیوں میں تتلیاں سوئی ہوئیں

سرو کی انگڑائی میں پرچم اُڑاتی تھی بہار
گنگناتے تھے بڑے دھیمے سُروں میں آبشار

چل رہی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی مست جاں پرور ہوا
سُن رہا تھا دل کسی کے سانس کی ہلکی صدا

ڈھیریاں تھیں خشک پتّوں کی درختوں کے تلے
جیسے دوشیزۂ گلستاں زادیوں کے مقبرے

موجزن تھا خاک کے سینے پہ بحرِ سیمِ ناب
ذرّہ ذرّہ تھا درخشندہ فسانوں کی کتاب

آنکھ کہتی تھی کہ ناداں پھر کہاں ایسا سماں
دل یہ کہتا تھا نہیں، اک خواب ہے بزمِ جہاں

اثراتِ رباب

سُرمہ افشاں ہے آسماں کی نگاہ — کروٹیں لے رہا ہے ابرِ سیاہ

تر ہے ہلکی پھوار سے جنگل، — ہر طرف راستوں میں ہے دلدل

ٹھنڈی ٹھنڈی سنک رہی ہے ہوا — بوئے گل سے مہک رہی ہے فضا

دشت سے جا رہے ہیں چرواہے — راگنی گا رہے ہیں چرواہے

دم بخود ہیں نشیمنوں میں طیور — کس نے ان کو کھلا دیا سیندور

نہر کے پرسکوں کنارے پر — ہے جوانی کا خواب گوں منظر

برق زرہ کے تلملاتی ہے — موج ہر لحظہ مُسکراتی ہے

اس طرح کچھ خموش ہے جنگل — گویا حیرت بدوش ہے جنگل

روشنی چرخ کے کناروں کی — بن گئی روح لالہ زاروں کی

ایک سادھو درخت کے نیچے
بانٹتا ہے ہواؤں کو نغمے

نالہ پرورِ ستار کی آواز کر رہی ہے فضاؤں میں پرواز

ایسا محسوس ہو رہا ہے مجھے جیسے کوئی بھگو رہا ہے مجھے

صبح جس طرح انجمناں میں ہچکیاں جیسے یادِ جاناں میں

جیسے مغموم دوست کی آواز پردۂ سوز میں سراپا ساز

جیسے کالی گھٹا سے بارش کا مُنہ اندھیرے خفیف سا چھینٹا

جیسے وقتِ سحر پسِ ماتم روح افزا اذان کا عالم

جیسے وہ مست فقیرانہ تانیں جن میں چھپ چھپ کے ہوں ملاقاتیں

جیسے افلاس میں بروزِ عید غیر ملکوں میں ہم وطن کی دید

روح برسات کی ہے یہ آواز جاگ اٹھتا ہے اس سے دل کا ساز

کاش اس وقت جان نکل جائے
خواب تعبیر سے بدل جائے

اجودھیا کی شام

میں پہنچا اجودھیا میں جو سرجو کے کنارے
زربار شفق سے تھے زری پوش نظارے

گرداب سیہ میں تھا تمازت کا سفینہ
ٹھنڈا تھا بیاباں کا سلگتا ہوا سینہ

وہ نور و ضیا کے تھے کچھ آپس میں اشارے
دھندلے سے ہوئے جاتے تھے جنگل کے کنارے

ویران دھندلکوں میں ضیا کانپ رہی تھی
سائے میں درختوں کے ہوا ہانپ رہی تھی

انوار ہر اک چیز سے منہ پھیر رہے تھے
نظروں کو ملاحت کے پرے گھیر رہے تھے

ہر گام پہ بڑھتا تھا نگاہوں میں اندھیرا
کھیتوں سے نکل آیا تھا راہوں میں اندھیرا

تھا سوچ میں ڈوبا ہوا دریا کا کنارا
چلتا ہوا جادو تھا کہ بہتا ہوا دھارا

سرجو کا وہ موڑ اور شوالوں پہ شوالے
دامانِ سماعت میں تھے ناقوس کے نالے

آثار تھے انوار میں ظلمت کی نمو کے
مغرب کے گریباں پہ دھبے تھے لہو کے

* میں اس نظم کی تخلیق کے سلسلے میں جناب باب اللہ قاسم جعفری اور جناب سلیم الدین احمد انصاری کا ممنون ہوں جن کے توسل سے مجھے یہ منظر نصیب ہوا۔ احسان

دل فکر میں غلطاں تھا تجسّس میں نظر تھی — رکھی ہوئی اتنے میں نظر آئی اک ارتھی

ارتھی پہ تھے سب گریہ کناں اپنے پرائے — اس خاک کہ بیرنگ پہ نظروں کو جمائے

دوشیزۂ بے روح کے انداز نہ پوچھو — کس وقت میں آج گنگ ہوا ساز نہ پوچھو

سر تا بقدم چادر زرکار و گلابی — زندہ تھے پسِ مرگ بھی انداز شبابی

عشرت کے معمّے کو قضا کھول رہی تھی — تابوت کے پردے میں قضا بول رہی تھی

محروم تھے قیمت سے اداؤں کے خزانے — ہونٹوں میں تھے سوئے ہوئے معصوم ترانے

عارض میں وہ ضو رنگ میں رعنائی نہیں تھی — چھپتے ہوئے سورج کی طرح زرد جبیں تھی

اعضا میں وہ نرمی نہ رگوں میں وہ لہو تھا — زہراب سے لبریز جوانی کا سبو تھا

انجام تبسّم کا تھا چہرے کی اُداسی، — رخسار تھے یا سیج پہ دو پھول تھے باسی

حرماں کا تسلّط تھا جوانی کی پھبن پر — مغموم شفق خون چھڑکتی تھی کفن پر

بس ماں کا نہ چلتا تھا بجز گریہ و زاری — تھی بیٹی کے تابوت پہ تقدیر کی ماری

روتی تھی کبھی لاش کے سینے سے لپٹ کر — برسی ہوئی آنکھیں کبھی ملتی تھی قدم پر

رکھ دیتی تھی افسردہ جبیں پر کبھی رخسار　　القصّہ اسی طرح چتا ہو گئی تیّار

شعلوں سے رُخِ شام کی سُرخی نکھر آئی

پانی کے قریب آگ دہکتی نظر آئی

شب کو ملی جھکی ہوئی زلفوں کی سیاہی　　تاروں میں چھپی جا کے درخشندہ نگاہی

اعضا کی لچک شاخِ گلِ تر میں سمائی　　تابانیٔ دنداں دلِ گوہر میں سمائی

بانٹی گئی کلیوں میں تبسّم کی بشاشت　　زہرا کو ملی سازِ تکلّم کی امانت

رخسار کی سُرخی ہوئی گُم جا کے شفق میں　　سونے کا ورق اُڑ گیا سونے کے طبق میں

اپنا لیا مہتاب کو اکبرنے حیا کو　　رفتار کا اعجاز ملا بادِ صبا کو

سانسوں کی مہک پھول کی خوشبو نے اُڑا لی　　آئی تھی جہاں سے وہ جگہ روح نے پا لی

ساحل پہ رہا خاک کی تقدیر کا حصّہ

یوں ختم ہوا اس کا مرے سامنے قصّہ

احسان صدا آئی یہ کاشانۂ دل سے　　جذبات پکار اُٹھے نہاں خانۂ دل سے

مت بھول جوانی کی بہاروں میں خزاں کو
ہر سانس پہ درپیش تغیّر ہے جہاں کو

اچھا نہیں دنیا کی محبت کا قرینہ
کس گھاٹ لگے جا کے نہ جانے یہ سفینہ

اُٹھنے ہی نہ دے گردنِ تسلیم و رضا کو
پاتا نہیں انسان دلائل سے خدا کو

نیرنگِ شب و روز ہیں خوابوں کے نظارے
یہ چاند یہ سورج یہ چمکتے ہوئے تارے

خوش ہو نہ مسرّت سے مصائب کا نہ غم کر
رم کر ارے اس راحت و اندوہ سے رم کر

آہستہ خرامی سے نہ دے طُول سفر کو
کانٹوں پہ عبث ڈال نہ دامانِ نظر کو

ادراک و جنوں دونوں کی پستی سے گذر جا
نظروں کو جھکائے رہِ ہستی سے گذر جا

علی گڈھ کے ایک باغ میں!

(ایک صبح)

مژدہ باد اے دل بہاریں باغ میں آنے لگیں
آسماں پر کالی کالی بدلیاں چھانے لگیں

کھل گئیں غنچوں کی باچھیں مسکرائی بزمِ گُل
روشن و شاداب نغمے بلبلیں گانے لگیں

شاخساروں کے دُھندلکوں سے نکل آئے طیور
ننھی ننھی بند کلیاں وجد میں آنے لگیں

سنگریزوں سے جمالِ حسن کی پھوٹی کرن
سازِ فواروں نے چھیڑے پٹریاں گانے لگیں

جاگ اُٹھے خوابِ نوشیں سے حسینانِ چمن
اوس چھڑکی سرو کو انگڑائیاں آنے لگیں

ٹہنیاں جھومیں، ہوا سنکی، آ لالے آبشار
رنگ کی شہزادیاں تصویر کھنچوانے لگیں

عارضِ فطرت پہ کیسا کھل گیا رنگِ شباب
نکہتیں صحنِ چمن میں کیف برسانے لگیں

سبزہ زاروں میں ہوا سے دائرے پڑنے لگے
مسکراتی جنتیں ہر سو نظر آنے لگیں

پتی پتی کی رگوں میں خون سا بھرنے لگا
مضمحل ذرّات میں تابانیاں آنے لگیں

چرخِ نیلی فام سے نازل ہوئے چاندی کے تخت
شبنمی پریاں زمیں سے عرش پر جانے لگیں

جھک رہی ہے سقفِ میخانہ پہ ساون کی گھٹا
میکشوں کو رحمتیں ممنون فرمانے لگیں

سُرخ ڈورے چشمِ نرگس میں ہیں پھر چھُوٹے ہوئے
بے پیے احسانِ دل پر مستیاں چھانے لگیں

جہاں تُو ہے

مآلِ جاں نثاری شدّتِ غم ہے جہاں تُو ہے
وہاں اُلفت نہیں اُلفت کا ماتم ہے جہاں تُو ہے

قناعت کا پھریرا ہے یہاں بامِ عقیدت پر
وفا کی قبر پر نفرت کا پرچم ہے جہاں تُو ہے

تری فطرت جوابِ غمگساری دے نہیں سکتی
چراغِ احساس کا سینے میں مدّھم ہے جہاں تُو ہے

خدا کا خوف کر غارت گرِ جنسِ شکیبائی
سکونِ عشق کا شیرازہ برہم ہے جہاں تُو ہے

کیفِ چمن

ہے تنگ جامۂ ہستی میں آج دیوانہ　　بہار آئی ہے بھولا خزاں کا افسانہ

شبیہِ دوست جھلکتی ہے ذرّے ذرّے میں　　بسا ہوا ہے نگاہوں میں حُسنِ جانانہ

تھرک رہے ہیں فضاؤں میں جانفزا نغمے　　برس رہا ہے بہشتوں سے کیفِ مستانہ

چمن پہ کھول دیئے برشگال نے گیسو　　جھکی ہوئی ہے ہر اک شاخ لیکے پیمانہ

یہ کیف بار ہواؤں پہ قیرگوں بادل　　نظر کے سامنے رقصاں بساطِ میخانہ

ہوائے مست نے گھیرے میں لے لیا دل کو　　اُتر رہا ہے فلک سے زمیں پہ میخانہ

تڑپ رہا ہے نگاہوں میں جلوۂ ساقی　　برس رہا ہے جبینوں سے زہدِ رندانہ

قدم قدم پہ لچکتی ہیں نازنیں شاخیں　　ہے کونپلوں سے عیاں جلوۂ عروسانہ

چھلک پڑے ہیں ہواؤں میں ساغرِ سرشار　　سنک رہی ہے گلوں میں نسیم مستانہ

ڈھلی ہوئی ہے نظر لغزشوں کے سانچے میں　　لرز رہی ہے لبوں پر حدیثِ پیمانہ

اُمنڈ رہا ہے تخیّل پہ جذبِ رندانہ
بھری ہوئی ہے فضاؤں کی گود میں مستی
چھڑی ہوئی ہے چمن میں حدیثِ جانانہ
ہیں تمتمائے ہوئے سے گلوں کے رخسارے
تجلّیات کا مخزن ہے دل کا ویرانہ
بنا ہے شاخِ تصوّر پہ آشیانۂ برق

سکوتِ زارِ تحیّر میں کھو گیا ہوں میں
گھٹا کو دیکھ کے دیوانہ ہو گیا ہوں میں

آگاہی

یہ دُنیا، یہ مناظر ہائے رنگیں، یہ چمن بندی
یہ اسبابِ طرب خیزی، یہ ساماں شادمانی کے
بجا ہے، ہاں بجا، یہ سب ہیں دامنگیرِ دل لیکن،
یہی پُرکیف نظّارے ہیں دشمن زندگانی کے

صبحِ گلستاں

(لارنس باغ میں صبح)

شراب ساقیا پلا کہ عالمِ شباب ہے
جواں ہر اُمنگ ہے گھرا ہوا سحاب ہے
اگر یہ خواب ہے تو دیکھ کیا عجیب خواب ہے

ہوا کی موج موج میں ہیں موج موج مستیاں
یہ شبنمی پھواڑیں یہ بھیگی بھیگی پتیاں
نقابِ گلستاں ہیں آج حسن بے نقاب ہے

ہیں مشرقی فضاؤں میں اُفق پہ تابداریاں
گلوں نے آنکھ کھول دی چمک رہی ہیں کیاریاں
ستارے ڈگمگا رہے ہیں زرد ماہتاب ہے

وہ غنچہ مسکرا دیا وہ مست پھول ہنس پڑا
ہوائے سرد چل رہی ہے ساقیا پلا، پلا
یہ وقت وہ ہے ہر طرف شراب ہی شراب ہے

روش روش پہ باغ کی اُمنڈ رہی ہیں مستیاں
خلاؤں میں ہیں کیف ریز بیخودی کی بستیاں

جدھر نظر اُٹھایئے شباب ہی شباب ہے

بدل رہی ہے کروٹیں بہار سبزہ زار میں   کھلی ہے آنکھ پھول کی کسی کی انتظار میں

زمیں کا جذبۂ نمو رہینِ اضطراب ہے

نسیم نرم دامنوں میں ہے گہر لئے ہوئے   شعاعِ مہر رقص میں ہے سیم و زر لئے ہوئے

ہر ایک ذرّۂ زمیں جوابِ آفتاب ہے

ہیں آسماں پہ سُرخ سُرخ بدلیوں کی دھاریاں   جھلک رہی ہیں شہر کی بلند تر اٹاریاں

بلا کا رنگ روپ ہے غضب کی آب و تاب ہے

یہ کام ہو سکے تو کر حیاتِ مستعار میں   نگاہِ شوق کر دے گُم کسی کے جلوہ زار میں

شباب پر بہار ہے، بہار پر شباب ہے

کمسن لڑکی (تصویری)

یہ سادگی کے نقوش خنداں، یہ بھولا بھالا غدارۂ سیمیں
یہ والدہ کے جگر کا ٹکڑا، یہ نور دیدہ نگارِ سیمیں
گھنیری شاخوں کی تیرگی میں کلی کوئی مسکرا رہی ہے
کسی کے خاموش گھر میں فطرت چراغِ نغمہ جلا رہی ہے
تڑپ رہا ہے سحر کا تارا غنودہ گلشن کے بانکپن پر
کہ شامِ رنگیں کے جُھٹپٹے میں حسین تتلی ہے یاسمن پر
رُخِ حسیں پر بُریدہ گیسو ادا سے کروٹ بدل رہے ہیں
جماہی لیتی ہوئی کلی پر سیاہ بھونرے مچل رہے ہیں
وفا ہے بیدار، روح شاداں، نظر میں شوخی مچل رہی ہے
سحر کے دامن میں سبز ٹہنی سفید کونپل اگل رہی ہے

ادائے معصومیت کی رَو میں کچھ اس طرح مسکرا رہی ہے
کہ غم کی سوز آفرینیوں میں نشاط پرچم اُڑا رہی ہے
دھرے ہیں سینے پہ ہاتھ دونوں یہ حفظِ عفّت کا جوش دیکھو
یہ جان دیکھو، یہ عمر دیکھو، یہ عقل دیکھو، یہ ہوش دیکھو

میرا معیارِ محبّت

بہت مُشکل ہے میری طرح اُلفت اس زمانے میں
میں ہنستے وقت بھی اندوہ سے معمور رہتا ہُوں
تقدّس سے گذر جاتا ہوں عصیاں تک نہیں جاتا
تجلّی سے نکل کر تیرگی سے دُور رہتا ہُوں

کیفِ صبوحی

آسمانوں پر ستارے آنکھ جھپکانے لگے
خد و خالِ صبح مشرق میں نظر آنے لگے

ہیں سنہری بدلیاں رقصاں بساطِ شرق پر
رات کے مدہوش منظر ہوش میں آنے لگے

پتلی پتلی ڈالیوں میں آ گئی دلکش لچک
گیسوئے سنبل ہوا سے پیچ و خم کھانے لگے

جانے کیا چپکے سے افسوں پڑھ گئی بادِ نسیم
نونہالانِ گلستاں وجد میں آنے لگے

مطربانِ بزمِ فطرت نے اٹھائے ارغنوں
نغمۂ جاں بخش مرغانِ چمن گانے لگے

چرخ سے ہونے لگی کرنوں کی بارش خلق پر
اوس کے قطرے ہرے پتوں پہ تھرّانے لگے

ہیں فضاؤں میں شمیمِ گل کی موجیں رقص کار
حسنِ فطرت کے تبسّم روح پر چھانے لگے

باغ کی تاریکیوں میں سانولا پن آ گیا
کیا وہ عارض سے نقابِ ناز سرکانے لگے

ہر روش پر ہے خراماں شاہدِ رنگ و جمال
تھامنا ساقی! کہ ہوش اب ہاتھ سے جانے لگے

حضرتِ احسان لب پہ پھر وہی ذکرِ وطن
پھر اُسی افسانۂ ماضی کو دہرانے لگے

ذیشانِ دانش[۱]

یہ بھولی بھالی ملیح صورت، یہ دلنشیں شیر خوار بچہ
شعورِ فطرت کی صنعتوں کا جہاں میں ہے شاہکار بچہ

جوان حوروں کے نرم لہجے زمیں پہ تشکیل پا گئے ہیں
نسیمِ جنّت کے مست جھونکے لباسِ انساں میں آ گئے ہیں

غریب امّاں کی آرزو کا جہانِ راحت بدوش ہے یہ
جو روح کو بیکراں بنادے وہ نغمۂ کیف کوش ہے یہ

بہارِ جنّت کی نکہتوں میں بسا ہوا ہے خمیر اس کا
نسیمِ عنبر فشاں کا جھولا جھلا رہا ہے ضمیر اس کا

حسین تاروں کی مسکراہٹ تبسّمِ نور بار میں ہے
شفق کی رنگینیوں کا جلوہ چمن کی اُٹھتی بہار میں ہے

۱؎ حضرت احسان کے فرزند کا نام ہے۔ توقیر طاہر

لطیف اعضا میں جوش بن کر دکھائیگی جب اثر جوانی
سُنے گا عالم نئی کہانی نگاہِ بیتاب کی زبانی
اُمید کے قافلے کو لیکر خیال کوسوں بڑھے ہوئے ہیں
مگر پسِ پردۂ مسرّت قضا کے تیور چڑھے ہوئے ہیں

حُسن و عشق کا تجزیہ

دلوں کی ہے درخشانی، نہ روحوں کی ضیا باری
نہ یہ آنکھوں کا دھوکا ہے نہ جلوؤں کی فسوں کاری
جسے تم حُسن کہتے ہو فروغِ تندرستی ہے
جسے میں کو عشق سمجھا ہوں وہ ہے اک مرگِ خودداری

صبح بیاباں

بیاباں میں وقتِ سحر ہو رہا ہے
ہر اک کھیت شبنم سے تر ہو رہا ہے

شوالے کا زرّیں کلس جگمگایا
برہمن نے ناقوس مُنہ سے لگایا

وہ سورج کی کرنوں سے ہے زرنگاری
ہری کھیتیوں پر تبسّم ہے طاری

یہ گیلی زمیں، نازنیں بیل بوٹے
یہ ٹھنڈی ہوائیں، حسیں بیل بوٹے

ترائی کا یہ رشکِ گلزار جنگل
یہ چڑیوں کے نغموں سے سرشار جنگل

کسان ایسے انداز سے گا رہے ہیں
درختوں میں نغمات لہرا رہے ہیں

یہ صحرا، یہ ندّی کا دلکش کنارا
یہ فطرت کے خودرَو چمن کا نظارا

یہ شفّاف پانی میں لہریں ہوا سے
نظر آشنا جلوۂ آشنا سے

بطیں اس طرح تیرتی جا رہی ہیں
کہ موجوں کو انگڑائیاں آ رہی ہیں

پرندے ہیں مصروف حمدِ خدا میں
ہیں باہم اشارے سے ارض و سما میں

مجھے جب یہ دن یاد آیا کریگا!
غمِ عمر میں خوں رُلایا کرے گا!

اوڈرم گھاٹ کلکتہ کی ایک شام

ہوئی شام کیفیّتیں آ رہی ہیں
نگاہوں کو ساغر سے پلوا رہی ہیں

ہواؤں میں رقصاں ہیں سیّال نغمے
سماعت میں موجیں سی لہرا رہی ہیں

شفق سے ہیں پانی کی موجیں گلابی
تخیّل پہ رنگینیاں چھا رہی ہیں

زمیں بوس سورج کی زرّیں شعاعیں
فضا میں تبسّم سے چھلکا رہی ہیں

نمسکار کی شعر پرور صدائیں
محبّت کی دُنیا کو چونکا رہی ہیں

شکارے ہیں دو نوجواں مست پریاں
جہازوں کو نغموں سے نہلا رہی ہیں

اُڑاتی ہیں پانی کی چھینٹیں ہوائیں
لگاتار تارے سے برسا رہی ہیں

جوانی کی ناطق اداؤں کے بل پر
ترانے سمندر میں تیرا رہی ہیں

یہ موجیں، یہ انگڑائیاں کمسنوں کی
کہیں آ رہی ہیں کہیں جا رہی ہیں

رگِ جاں کو نشتر سے چھیڑا کسی نے
مسرّت میں کروٹ سی لی بیدلی نے

خموشی ہر اک شے پہ چھائی ہوئی ہے　　جوانی تصوّر پہ آئی ہوئی ہے

اُجالے کے جوگی نے پچّھم کی جانب　　دُھندلکے کی دھونی رمائی ہوئی ہے

دبے پاؤں بڑھتی ہوئی تیرگی نے　　تجلّی کی گردن جھکائی ہوئی ہے

ہے رگ رگ میں اک دردِ پُر کیف ساری　　کوئی مہ لقا دل میں آئی ہوئی ہے

ہیں پیشِ خدا نا خدا سر بسجدہ　　دمک روئے ایماں پہ آئی ہوئی ہے

صبا نے وہی راگنی گنگنائی　　مرے دیدہ دل کی جوگائی ہوئی ہے

ضیا گاہِ خورشید میں رفتہ رفتہ　　اندھیرے کی فرمانروائی ہوئی ہے

نگاہِ فلک سے برستا ہے کاجل　　شفق کو بھی اب نیند آئی ہوئی ہے

جسے ضبط نے لاکھ نازوں سے پالا　　وہی بات ہونٹوں پہ آئی ہوئی ہے

اٹھا ہوں بڑے ضبط سے کام لیکر

زبانِ خموشی سے اک نام لیکر

چراغوں کو آنکھیں دکھاتا چلا ہوں　　مناظر سے دامن بچاتا چلا ہوں

جفاؤں سے مانوس ہیں اہلِ دنیا وفاؤں پہ ایمان لاتا چلا ہوں
رگ و پے میں بجلی سی لہرا رہی ہے ہر اک گام پر لڑکھڑاتا چلا ہوں
رہیگی مری خاکِ بنگال شاہد جگر زاد آنسو لٹاتا چلا ہوں
ہر اک سانس ہے مخبرِ داغِ پنہاں ہواؤں میں آہیں رلاتا چلا ہوں
مجھے شامِ غربت میں یاد آنے والے تری یاد کے ناز اُٹھاتا چلا ہوں
عقیدوں کی تسکیں فزا روشنی میں دعاؤں کے جادو جگاتا چلا ہوں
تری جلوتوں کے تری خلوتوں کے تصوّر میں نقشے جماتا چلا ہوں
جو سیکھا ہے دنیا سے بیزار ہو کر وہی مضمحل گیت گاتا چلا ہوں

مرے شوق کو آزمائے چلا جا!
ستائے چلا جا! ستائے چلا جا!

نالۂ سکوت

(ایک عزیز کی گمشدگی پر)

تپِ غم سے احساں جگر جل رہا ہے
مسرّت تھی جس میں وہ گھر جل رہا ہے

نہیں گرچہ کچھ فرق نظمِ جہاں میں
تبسّم بدستور ہے گلستاں میں

ستاروں کی رخشندگی بھی وہی ہے
مہ و خور کی تابندگی بھی وہی ہے

اسی طرح دریا میں موجیں رواں ہیں
کناروں پہ خاموشیاں حکمراں ہیں

اسی طور ساکن ہیں دیوار و در بھی
اسی طرح ہوتے ہیں شام و سحر بھی

نسیمِ سحر گل کھلاتی ہے اب بھی
چمن زادیوں کو ہنساتی ہے اب بھی

گلوں کو ہوائیں جھلاتی ہیں اب تک
فضا میں تبسّم لٹاتی ہیں اب تک

گھٹاؤں کا متوالا پن بھی وہی ہے
مغنّی کا سوزِ سخن بھی وہی ہے

ہے اب بھی وہی چاند کی نورباری
وہی ساحلوں پر ہے رقّت سی طاری

وہی ٹوٹتی رات کا بربطِ غم وہی سبزہ زاروں پہ بیچین شبنم
بدستور ہیں تبکدوں میں برہمن اُسی طرح ہوتے ہیں دیوی کے درشن
اُسی طرح پرکیف بزمِ حرم ہے اُسی طرح پُرنور بیت الصنم ہے
وہی شام کا جامۂ سوگواری وہی شمع کی صبح تک اشکباری

وہی کوہساروں پہ ابرِ متانت
وہی وادیوں میں ہجومِ لطافت

مگر اے مری آنکھ سے چھپنے والے جگت سے انوکھے جہاں سے نرالے
انیسِ اُمید و خلیلِ تمنّا تڑپتا ہے تیرا قتیلِ تمنّا
جدائی میں تیری ہے تاریک عالم طرب خیز نغموں میں ہے شورِ ماتم

جمالِ فلک ہے نہ حُسنِ زمیں ہے
اگر تو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے

کمپنی باغ لائل پور میں شبِ ماہتاب

موجزن ساکت فضاؤں میں ہے بحرِ سیم ناب
باہزاراں آب و تاب

عارضِ فطرت پہ ہے ضو ریز ہلکی سی نقاب
باعثِ صد اضطراب

کیف پیدا ہے ربابِ فطرتِ مدہوش سے
نغمۂ خاموش سے

مست ہے ہر چیز پی کر جام صہبائے شباب
بیخودی ہے بے حجاب

اس ترنّم خیز خاموشی میں کیفیت نہ پوچھ
اُف مری حالت نہ پوچھ

ہے نوازن میری رگ رگ میں محبّت کا رباب
ہے سکوں زا اضطراب

سنگریزوں میں بھی تابش ہے جمالِ طور کی
پارہ ہائے نُور کی

اشک ہیں یا دیدۂ تر میں چھلکتی ہے شراب
دل ہے مدہوشی کا باب

ساقیٔ میخانہ ہے موجِ ہوائے نیم شب
دل کی حالت ہے عجب

بن گیا ہے عالمِ امکاں طرب زارِ شباب
باغِ جنّت کا جواب

ٹہنیوں میں تشکر کے سجدے ہیں اترائے ہوئے　　جوش میں آئے ہوئے

ہوتا جاتا ہے مآلِ زندگانی بے نقاب　　اُٹھ گیا دل سے حجاب

سبز پوشانِ حریمِ باغ ہیں سوئے ہوئے　　نیند میں کھوئے ہوئے

بن رہی ہے پتی پتی حُسنِ فطرت کی کتاب　　کھُل گئے رحمت کے باب

عالمِ امکاں سراسر عالمِ انوار ہے　　اک تجلی زار ہے

امتیازِ عیش و غم ہے کاوشِ ناکامیاب　　اللہ اللہ انقلاب

دلنشیں ہے کس قدر معصوم کلیوں کی ادا　　اُف رے حسنِ غم رُبا

چومتی ہے مُنہ کو جھک جھک کر شعاعِ ماہتاب　　ہے امنگوں پر شباب

نقشِ رہگذر ۱؎

جابجا بھیگی چٹانوں پر یہ سبزے کا ہجوم
جیسے خود فطرت نے لا ثانی گھاس کی باندھی ہو بوٹ

ہر بلندی سی نظر آتا ہے جہلم دور تک
جیسے کنکوے کا لنگر جیسے سادھو کا لنگوٹ

اس طرح سے چھائیں مائیں کھیلتی ہیں دھوپ چھاؤں
جیسے رہ رہ کر نئی دلہن کرے گھونگھٹ کی اوٹ

یہ حسیں پگڈنڈیاں بہتے خیالوں کی طرح
دیکھ کر جن کو نظر مسرور ہے دل لوٹ پوٹ

یہ روپہلی سرد چشمے گنگناتی دھاریاں
یہ ہری مخمل پہ لہرائے ہوئے ریشے کی گوٹ

اُف یہ رکھوالوں کے جھونپڑے یہ کسانوں کے مچان
جن کی قسمت ظالموں کی لوٹ بنیوں کی کھسوٹ

بھوک کی ماری غلامی پر مدارِ زندگی
وہ مدارِ زندگی جس میں الکشن ہے نہ ووٹ

یہ برستے بادلوں میں دھان کے کھیتوں کا گشت
تیز برفانی ہوا میں ململی چادر کا چوٹ

بازوؤں سے ناپتے ہیں روز دریا کا چڑھاؤ
اور ابھی افلاس کی فہرست میں کشتی نہ بوٹ

یہ خدا کی لاڈلی مخلوق فاقوں کا شکار
یہ ضمیروں کے کھرے سونے پہ تقدیروں کا کھوٹ

۱؎ کسی کے فرمائشی گر امتحانی مصرع پر فی البدیہہ،

روشنیاں

بنامِ اُو کہ اُو نامے ندارد

خداوند قادر علیم و یگانہ ۔۔۔ دو عالم کے لب پر ہے تیرا فسانہ

ترے دستِ قدرت میں دونوں جہاں ہیں ۔۔۔ نگوں ہیں زمینیں نگوں آسماں ہیں

میں کیا ہوں مری کچھ حقیقت نہیں ہے

تشکّر بمقدارِ راحت نہیں ہے

مگر تیری رحمت پہ مغرور ہوں میں ۔۔۔ پریشانیوں میں بھی مسرور ہوں میں

مجھے تو نے وہ کامرانی عطا کی ۔۔۔ کہ الکن کو جادو بیانی عطا کی

دماغ اور دل کو کچھ ایسی جِلا دی ۔۔۔ مری زندگی غیر فانی بنا دی

مصائب سے کب میری کشتی رُکی ہے ۔۔۔ ہمیشہ ترے در پہ گردن جھکی ہے

مرے ظرف سے آشنا ہے زمانا ۔۔۔ ہے آساں مجھے جان پر کھیل جانا

ہجومِ حوادث سے ڈرتا نہیں میں ۔۔۔ بلندی سے اپنی اُترتا نہیں میں

گذرتا ہوں طوفان سے مسکراتا — نگاہوں سے ہنستا رجز گنگناتا

زمستاں میں جمنا کے پانی سے کھیلا — جگر داری و سخت جانی سے کھیلا

سفر طے کئے رہگذاروں میں میں نے — نگاہوں کو پالا ستاروں میں میں نے

کڑکتی ہوئی دھوپ سے مُنہ نہ موڑا — کسی حال میں تیرا دامن نہ چھوڑا

مُجھے بجلیوں نے ڈرانا تو چاہا — رہِ راستی سے ہٹانا تو چاہا

مگر میں تری رحمتوں کے سہارے — ابھی تک چلا آیا سینہ اُبھارے

زمانے نے ہر طور سے آزمایا — سوا تیرے لیکن کسی کا نہ پایا

قمر طلعتوں کی نگاہوں نے روکا — مقابر نے اور خانقاہوں نے روکا

ملا حُسنِ اکبر مجھے آب دیدہ — جھکی مجھ پہ دولت کہ لکھ دوں قصیدہ

نہ بہکی مگر میری خود اعتمادی — رہی جوں کی توں راسخ الاعتقادی

میں آفاق میں نغمات گاتا رہا ہوں — ہر اک غم کو ہنس کر اُڑاتا رہا ہوں

مگر اب عجب وقت آیا ہوا ہے — جنوں سا طبیعت پہ چھایا ہوا ہے

٭ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ دریائے جمنا میں گرے ہوئے ذخیرہ کا شکار میرا ذریعہ معاش تھا۔ احسان

محبّت سی ہے ایک انساں سے مجھکو — لگاؤ سا ہے دشمنِ جاں سے مُجھکو

وہ گھُل مل کے مجھُسے جدا ہو رہا ہے — سبب کچھ نہیں اور خفا ہو رہا ہے

اُسے مجھ سے شاید محبّت نہیں ہے — کہ دولت کو مونس کی حاجت نہیں ہے

اگر حُسن کو چاہتی ہیں نگاہیں — ہزاروں حسیں ہیں انھیں کیوں نہ چاہیں

بُرا ہوں مگر اس قدر تو نہیں ہوں — اگر وہ حسیں ہے تو میں بھی حسیں ہوں

مجھے اُس سے کوئی تمنّا نہیں ہے — جو تیرا ہے محتاجِ دُنیا نہیں ہے

یہ بے لوث اُلفت ہے اور پھر یہ عالم — کہ ہے اس کی فرقت میں دُنیا جہنّم

نہ دن زر فشاں ہیں نہ راتیں سہانی — بس آنکھیں ہیں اور آنسوؤں کی روانی

پگھلنے کو ہے قلب کا آبگینہ — ہے چکّر میں خودداریوں کا سفینہ

مجھے کوئی مجلس گوارا نہیں ہے — مرا جیسے کوئی سہارا نہیں ہے

نگاہوں کو جس سمت لے جا رہا ہوں — ہر اک شے میں اُس کی کمی پا رہا ہوں

پریشاں نظر ہے دل اندوہگیں ہے — اگر وہ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے

گذرتا ہوں طوفان سے مسکراتا　　　نگاہوں سے ہنستا رجز گنگناتا

زمستاں میں جمنا کے پانی سے کھیلا　　　جگرداری و سخت جانی سے کھیلا

سفر طے کئے رہگذاروں میں میں نے　　　نگاہوں کو پالا ستاروں میں میں نے

کڑکتی ہوئی دھوپ سے منہ نہ موڑا　　　کسی حال میں تیرا دامن نہ چھوڑا

مجھے بجلیوں نے ڈرانا تو چاہا　　　رہِ راستی سے ہٹانا تو چاہا

مگر میں تری رحمتوں کے سہارے　　　ابھی تک چلا آیا سینہ ابھارے

زمانے نے ہر طور سے آزمایا　　　سوا تیرے لیکن کسی کا نہ پایا

قمر طلعتوں کی نگاہوں نے روکا　　　مقابر نے اور خانقاہوں نے روکا

ملا حسن اکثر مجھے آب دیدہ　　　جھکی مجھ پہ دولت کہ لکھوں قصیدہ

نہ بہکی مگر میری خود اعتمادی　　　رہی جوں کی توں راسخ الاعتقادی

میں محفلوں میں نغمات گاتا رہا ہوں　　　ہر اک غم کو ہنس کر اڑاتا رہا ہوں

مگر اب عجب وقت آیا ہوا ہے　　　جنوں سا طبیعت پہ چھایا ہوا ہے

---

٥ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ دریائے جمنا میں مگرمچھ وغیرہ کا شکار میرا ذریعہ معاش تھا۔ احسان

محبّت سی ہے ایک انساں سے مجھکو لگاؤ سا ہے دشمنِ جاں سے مجھکو

وہ گھُل مل کے مجھسے جدا ہو رہا ہے سبب کچھ نہیں اور خفا ہو رہا ہے

اُسے مجھ سے شاید محبّت نہیں ہے کہ دولت کو مونس کی حاجت نہیں ہے

اگر حُسن کو چاہتی ہیں نگاہیں ہزاروں حسیں ہیں انھیں کیوں نہ چاہیں

بُرا ہوں مگر اس قدر تو نہیں ہوں اگر وہ حسیں ہے تو میں بھی حسیں ہوں

مجھے اُس سے کوئی تمنّا نہیں ہے جو تیرا ہے محتاجِ دُنیا نہیں ہے

یہ بے لوث اُلفت ہے اور پھر یہ عالم کہ ہے اس کی فرقت میں دُنیا جہنّم

نہ دن زر فشاں ہیں نہ راتیں سہانی بس آنکھیں ہیں اور آنسوؤں کی روانی

پگھلنے کو ہے قلب کا آبگینہ ہے چکّر میں خودداریوں کا سفینہ

مجھے کوئی مجلس گوارا نہیں ہے مرا اب جیسے کوئی سہارا نہیں ہے

نگاہوں کو جس سمت لے جا رہا ہوں ہر اک شے میں اُس کی کمی پا رہا ہوں

پریشاں نظر ہے دل اندوہگیں ہے اگر وہ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے

اگر ہے یہ حرص و ہوا کی محبت
تو پھر اس محبت پہ لعنت ہزار لعنت

یہ ذوقِ گنہ دل سے معدوم کر دے
میں محروم اچھا ہوں محروم کر دے

جو آنکھیں لہو رو رہی ہیں تو روئیں
امیدیں اگر جان کھوتی ہیں کھوئیں

علاجِ تپِ غم کی حاجت نہیں ہے!
مجھے اُس کی مطلق ضرورت نہیں ہے!!

مگر کہہ رہی ہے یہ بے اختیاری
کہ ہے کار فرما یہاں ذاتِ باری

اگر واقعی اس میں تیری رضا ہے
تو جو ہو رہا ہے یہ سب کچھ بجا ہے

یونہی کشمکش کو بڑھائے چلا جا
میں ہنستا رہوں گا رلائے چلا جا

عطا ہو اُسے بھی اگر قدر دانی
"بڑی مہربانی! بڑی مہربانی!!"

......کی یاد

دل میں پھر بیتاب جلوؤں کی جھلک پاتا ہوں میں
منزلِ ادراک سے کوسوں بڑھا جاتا ہوں میں

اُف وہ میری بیخود و مخمور راتیں لٹ گئیں
جلوۂ صد رنگ سے معمور راتیں لُٹ گئیں

طور سے بڑھکر جو تھیں پُر نور راتیں لُٹ گئیں
یہ کہوں کیونکر انھیں بھی یاد آجاتا ہوں میں

بیٹھے بیٹھے مجھکو آجاتی ہے جب یادِ بہار
گرد ہو جاتی ہے آنکھوں میں فضائے روزگار

مارتا ہے جوش تسکینوں سے دل کا اضطرار
کشمکش کی کھیلتی موجوں میں کھو جاتا ہوں میں

چاند جب باغوں کی تاریکی میں برساتا ہے نور
صبحدم جب ٹوٹ جاتا ہے اندھیرے کا غرور
جب سُناتی ہے نسیمِ مست نغماتِ سُرور
ہر قدم پر لڑکھڑا کر ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

جب جھلکتی ہیں شعاعِ مہر سے پیشانیاں
وجد کرتی ہیں فضا میں نور کی طغیانیاں
اس قدر بیدار ہوتی ہیں مری حیرانیاں
پھر وہی دُھندلا تصوّر سامنے پاتا ہوں میں

ایک دن وہ تھا کہ میں تھا اور اُن کی جلوہ گاہ
پرورش پاتی تھی انوارِ تبسّم میں نگاہ
ہو گئی ہے اور کچھ ہو جائیگی ہستی تباہ
خواب میں بھی اب تو صورت کو ترس جاتا ہوں میں

جوش میں آئے گا دریائے تمنّا ایک دن

دل کو لے ڈوبیگی ارمانوں کی دُنیا ایک دن

ضبط سے ہو جائیگا پانی کلیجا ایک دن

اُن کی شرمیلی نگاہوں کی قسم کھاتا ہوں میں

دولت اور محبّت

ہے زباں بھی دل بھی آنکھیں بھی تعلُّق بھی مگر

مصلحت بینی انھیں اذنِ عمل دیتی نہیں

اہلِ دولت سے وفا کی آرزو ہے اک گُناہ

ان زمینوں میں محبّت پھول پھل دیتی نہیں،

انکشاف

اوّل اوّل جب تجھے جورآشنا سمجھا تھا میں
آج سمجھا ہوں، جو سمجھا تھا، بجا سمجھا تھا میں

زندگی یکسر گناہِ زندگی ثابت ہوئی
تجھکو اپنی زندگی کا مُدّعا سمجھا تھا میں

آنکھ کے دھوکے میں آکر گمرہی کرلی پسند
اپنے قلبِ حق نما کو خود نُما سمجھا تھا میں

یہ نہ سمجھا تھا کہ ہے دُنیا مقامِ مکر و فن
مخلصی کو اک فسونِ بے ریا سمجھا تھا میں

سوچتا ہوں تیرے معیارِ جفا کو دیکھکر
کیوں تجھے ان پستیوں سے ماوریٰ سمجھا تھا میں

کیا خبر تھی تو ہے اک محسن کُش و حیلہ مزاج
لوحِ عالم پر تجھے نقشِ وفا سمجھا تھا میں

تھی تری ہر سانس پیغامِ طرب میرے لئے
فطرتاً تجھکو جفا نا آشنا سمجھا تھا میں

تھا ترے اک اک اشارے پر سرِ تسلیم خم
خود کو اک مجبورِ تسلیم و رضا سمجھا تھا میں

کیسی دنیا، کیسی عقبیٰ، کیسا مذہب کیا سماج
تجھکو تحصیلِ دو عالم سے سوا سمجھا تھا میں

اللہ اللہ یہ مرے قلب و نظر کی لغزشیں
اک وفا دشمن کو پابندِ وفا سمجھا تھا میں

میری خودداری نے بڑھ بڑھ کر بہت روکا مجھے — اپنی خودداری کو لیکن ناسزا سمجھا تھا میں
ذوقِ سجدہ منفعل، سر در گریباں بے خودی — کس گنہگاری کو زہد و اتّقا سمجھا تھا میں
اب مرا ذوقِ طلب مجبورِ رسوائی نہیں — زندگی بھر سوچ کس انساں کو کیا سمجھا تھا میں!

بخش دے یا رب جوانی کی یہ لغزش بخش دے
اک صنم سازِ تخیّل کو خدا سمجھا تھا میں!

وعدہ خلافی پر

اُف ترا وعدہ خلافی پہ یہ مہمل سا جواب
یہ نہ ہو مجھ پہ جنوں کی بھی عنایت ہو جائے
مجھ سے بچنا ہے تو اظہارِ تنفّر بے سود
وہ فسوں پھونک کہ تجھ سے مجھے نفرت ہو جائے

..... کا خط پڑھ کر

یہ چاندنی یہ ہوا اور پھر بہار بھی ہے
جگر میں سوز بھی دل وقفِ اضطرار بھی ہے

نظر کے سامنے تارے سحر رقص کرتے ہیں
فضا کے دل میں ترانوں کا آبشار بھی ہے

تنی ہوئی ہے گلستاں میں خواب کی چادر
نمو کا جوش بھی ہے مستیٔ بہار بھی ہے

وفورِ کیف سے ہر ایک میگسارِ چمن
یہی نہیں ہے کہ بیخود ہے ہوشیار بھی ہے

فضا میں تیر رہی ہیں شمیم کی لہریں
نسیم فرشِ تجلّی پہ رقص کار بھی ہے

بنا ہوا ہے ستارہ چمن کا ہر ذرّہ
نہاں ہے شاہدِ فطرت تو آشکار بھی ہے

ٹھٹک کے رہ گئے کلیوں میں نیند کے جھونکے
گلوں کی سانس خموشی میں مشکبار بھی ہے

اگرچہ دیدۂ بینا میں ہے سرورِ نشاط،
مگر ابھی کسی لمحے کا انتظار بھی ہے

صفائے قلب سے آئینۂ تخیّل میں
ورودِ شعر بھی ہے جلوۂ بہار بھی ہے

کسی حبیب کا نامہ ہے دستِ لرزاں میں
کسی پہ دل کی اُمیدوں کا انحصار بھی ہے

کسے خبر ہے کہ احسان کربِ دُوری سے حسین چاندنی راتوں میں اشکبار بھی ہے
نہیں ہے صرف محبّت الم فزائے حیات
ہجومِ آفت و آلامِ روزگار بھی ہے

افشائے راز

وہ عہد تُم نے توڑ دیا جس پہ بیشمار پچھلے پہر کے ڈوبتے تارے گواہ تھے
اب جو بھی کہہ رہے ہو بجا ہے درست ہے ہم کج خیال و کج سخن و کج نگاہ تھے
باوصف احتیاط و بہ ایں تجرباتِ دہر محسُوس ہو رہا ہے کہ گم کردہ راہ تھے
لیکن ہے دل کو صبر کُھلا ہے یہ جب سے راز
تم باعثِ گناہ نہیں تھے گناہ تھے!

نیرنگِ تصوّر

مجھے یوں تو ہر اک خلوت میں تیری یاد آتی ہے

جگر میں چٹکیاں لیتی ہے دیوانہ بناتی ہے

اندھیری رات لیکن اک قیامت ساتھ لاتی ہے

تری تصویر کھنچتی ہے مری بزمِ تصوّر میں

سنکتی ہے نسیمِ صبح جس دم شاخساروں میں

اُتر آتے ہیں جب تاروں سے نغمے آبشاروں میں

جلا پاتے ہیں جب شبنم کے موتی سبزہ زاروں میں

مری چشمِ حزیں کو حُسن آئینہ دکھاتا ہے

چمن زاروں پہ کھُل جاتے ہیں جب برسات کے گیسو

مچلتے ہیں رُخِ تنویر پر ظلمات کے گیسو

بلائیں بن کے چھا جاتے ہیں کالی رات کے گیسو
محبّت لیکے مشعل خانۂ دل میں اُترتی ہے

بیاباں کے حسیں، معصوم اور خاموش نظّارے
سُہانی رات، شیریں چاندنی، کانپتے ہوئے تارے
فضاؤں میں نسیمِ سرد کے سیّال گہوارے
کفِ ہستی میں جامِ بادۂ سرجوش ہوتا ہے

جھلکتی چاندنی جب رقص کرتی ہے نگاہوں میں
خموشی جب درختوں سے اُتر آتی ہے راہوں میں
برستا ہے سکوتِ غم فزا جب خانقاہوں میں
کوئی نوریں دریچہ کھول کر سینے میں آتا ہے

نادیدہ دوست سے

جب کسی میں تابِ نظّارہ نہیں پاتا ہے تُو
کس لئے پھر سامنے آنے سے شرماتا ہے تُو

خواب میں جھلکا کے تاریکی مرے مقسوم کی
چھُپنے والے کون سی چلمن میں چھُپ جاتا ہے تُو

آنسوؤں میں جھلملاتا ہے ترا عکسِ جمیل
نور پارے دیدۂ گریاں سے برساتا ہے تُو

صبحدم خورشید کی زرّیں کرن کے بھیس میں
باغ کی دوشیزہ کلیوں کو ہنسا جاتا ہے تُو

چھاؤں میں تاروں کی جب دم توڑ دیتی ہے نگاہ
کہکشاں سے نیند بن بن کر اُتر آتا ہے تُو

جب کبھی لگتی ہے ساون میں کئی دن کی جھڑی
وادیٔ دل میں تجلّی بن کے چھا جاتا ہے تُو

پی پی سے سُنا کرتا ہوں تیرا ذکرِ خیر
صبحدم ناکتخدا کلیوں کو چٹکاتا ہے تُو

ٹمٹماتے دیکھتا ہوں جب مزاروں پر چراغ
زندگی میں زندگی کا درد بن جاتا ہے تُو

ڈوبتا ہے جب گھنے باغوں کے پیچھے آفتاب
بن کے سنّاٹا بیابانوں پہ چھا جاتا ہے تُو

جب گلابی چاندنی کرتی ہے تعمیرِ سحر
سرخیاں بن کر لبِ بامِ اُفق آتا ہے تُو

جب گھنے جنگل میں چھا جاتے ہیں بادل ہر طرف ہر طرف سے دل کے ارمانوں کو تڑپاتا ہے تو
اوس کی بوندوں سے مس ہو کر جو آتی ہے نسیم نیند کے ماتے جنوں کو گدگدا جاتا ہے تو
روز لچکا کر اُفق پر مہر کی پہلی کرن میرے میدانِ بصارت سے نکل جاتا ہے تو
کیا مری مضطر نگاہیں ہیں ترے رُخ کی نقاب بند کر لیتا ہوں جب آنکھیں نظر آتا ہے تو
سوئے مشرق نور کے چشمے اُبلتے دیکھ کر یاد کرتا ہوں تجھے میں یاد آ جاتا ہے تو

اب میں سمجھا تیرے اندازِ تغافل کا سبب
مجھکو در پردہ رموزِ عشق سمجھاتا ہے تو

شکایت

حق سے انکار آن کی خاطر معصیت کا کفیل ہوتا ہے
دوستی میں شکایتِ خاموش دوستی کا علیل ہوتا ہے

تجربہ

وہ گرچہ جفا کار و ستم کیش ہے لیکن حیران ہوں کیوں دل سے بھلایا نہیں جاتا

جس شخص کی خاطر میں گرا سب کے دلوں سے اس شخص کو نظروں سے گرایا نہیں جاتا

افسوس! جو کہتا ہے شرافت کو حماقت ہاتھ اس کی محبّت سے اُٹھایا نہیں جاتا

مخلص سے جہاں راز چھپانا ہے شریعت اے وائے وہاں راز چھپایا نہیں جاتا

صد حیف جہاں عیب ہے ایثار کا جذبہ غیرت کو وہاں کام میں لایا نہیں جاتا

احسان اسے کہتے ہیں مجبوریٔ اُلفت
دل! آہ خدا سے بھی لگایا نہیں جاتا

طلسمِ خیال

تیرے جلوے ہیں مری فکر کی گہرائی میں
تیرے اذکار ہیں خاموشیٔ تنہائی میں
تیرے انوار ہیں تخییل کی بینائی میں
میرے سجدوں میں ہے بیتاب تمنّا تیری

دل یہ کہتا ہے کہ رازِ غمِ اُلفت کہدے!
داستانِ تپشِ سوزِ محبّت کہدے
عالمِ صبر و شکیبائی کی حالت کہدے
اور چارہ بھی نہیں ضبط کا یارا بھی نہیں

نذرِ سلمیٰ کیلئے ہے نہ یہ عذرا کے لئے
دل مرا وقف ہے بس تیری تمنّا کے لئے

اب یہ دنیا نہ بنے گا کبھی دنیا کے لئے

اس کی ہر سانس ہے نیرے ہی الم کی روداد

دیکھ کیا کیا مجھے کہتا ہے زمانہ سُن لے!

لذّتِ سوز سے لبریز ترانہ سُن لے!

سُن لے سُن لے مرا غمگین فسانہ سُن لے!

اس کا ہر لفظ حقیقت میں ہے تفسیرِ شباب

شمع بجھنے کو ہے اُمّید کے کاشانے کی

بڑھتی جاتی ہے سیاہی مرے غم خانے کی

آرزو ہے ترے جلوؤں میں سما جانے کی

نکہت و رنگ کے پردوں میں چھپا لے مجھ کو

روشن آغاز میں انجامِ تمنّا کر دے

آئینہ دل مجھے اے آئینہ سیما کر دے

تو تماشائی ہو جس کا وہ تماشا کر دے
دل کی حسرت ہے یہی روح کا ارماں ہے یہی

تنبیہ

مجھے معلوم ہے تیرا مآلِ زود آمیزی
مرا ذمّہ نہ یہ راحت اگر آزار ہو جائے
مہارت کر نہ پیدا بزمِ بھسر کی دلنوازی میں!
نہ مجھکو بھی کہیں تیری محبّت بار ہو جائے!

فریبِ وفا

بزمِ نظر میں اب وہ نگارِ حسیں نہیں،
تسکینِ اضطراب وہ روئے مبیں نہیں
پہلو نشین اب وہ تصوّر نشیں نہیں
لیکن ابھی اسیرِ فریبِ وفا ہوں میں!
وہ دل کو آئینہ سا دکھا کر چلے گئے
برقِ نظر سے ہوش اُڑا کر چلے گئے
اک حشرِ آتشیں کو جگا کر چلے گئے
لیکن ابھی اسیرِ فریبِ وفا ہوں میں
دل سے بھلا چکا وہ مجھے شہر یارِ دل
تسکینِ روح، جانِ تمنّا، قرارِ دل

لے دے کے پاد دل ہے فقط یادگارِ دل،

لیکن ابھی اسیرِ فریبِ وفا ہوں میں

ٹھکرائی جا چکی ہے نگاہوں کی التجا

بیباک زہد، پاک گناہوں کی التجا

تقریر کی، سکوت کی، آہوں کی التجا

لیکن ابھی اسیرِ فریبِ وفا ہوں میں

احسان اُف وہ انجمنِ ناز اب کہاں؟

تسکیں نواز حسنِ فسوں ساز اب کہاں؟

اُن کی عنایتوں کے وہ انداز اب کہاں؟

لیکن ابھی اسیرِ فریبِ وفا ہوں میں

حدیثِ مشترک

یہ مانا تجھکو اے جانِ تمنّا مجھسے اُلفت ہے
ترے معصوم دل میں ضَو فشاں تنویرِ عفت ہے،

ترے پاکیزہ احساسات میں نورِ صداقت ہے
ترے عزمِ وفا پرور پہ نازاں حُسنِ فطرت ہے،

زمانہ پھر نہ دے اس داستاں میں ننگِ رُسوائی

حقیقت میں نعُوۡ وہ اک پیکرِ تنویر ساماں ہے
کہ جس کا ذرّہ ذرّہ رَوکشِ قلبِ سلیماں ہے،

تصوّر کل ترے اے جانِ احساں خاص احساں ہے
تیری یادِ تجلّی پاش سے دل انجمستاں ہے،

اُمیدیں جھومتی ہیں برقِ سیناکے شراروں میں

یقیں ہے ہاں یقیں ہے مجھکو تیری بیقراری کا
ہجومِ غم کا سَیلِ اشک کا اختر شماری کا

خموشی کا، جھلکتی چاندنی میں آہ وزاری کا
اُمنڈتے آنسوؤں کا رِقّتِ بے اختیاری کا

مگر دیکھ! اس کشاکش میں ترے دم پہ نہ بن جائے

تجھے تو سب خبر ہے میں بھی لاکھوں زخم کھاتا ہوں
تبسّم زارِ فطرت دیکھ کر آنسو بہاتا ہوں

کواکب زارِ شب زاد فریاد میں لٹا ہوں ہر اک ہچکی یہ کہتی ہے قضا کو یاد آتا ہوں
نہ جانے کب سنائے کوئی پیغامِ طرب مجھکو

زمانے سے سنبھلنا، یہ فداکاری کا دشمن ہے بڑا عیّار ہے مکّار ہے پرفن ہے رہزن ہے
ہزاروں بجلیاں پلتی ہیں جس میں وہ خرمن ہے وفاداروں کا مقتل ہے، دغابازوں کا مسکن ہے
کہیں اس اضطرابِ پاک پر پانی نہ پھر جائے

محبّت کی کسوٹی

جہاں میں یوں تو ہر انسان مانوسِ محبّت ہے
محبّت ہو میسّر یہ کہاں ہر اک کی قسمت ہے
غلامی پر اگر مجبور رہ جائیں نہ دو روحیں
محبّت کیا ہے وہ جذبات کی اوچھی تجارت ہے

واردات

تعجب ہے، کہ کیوں اس سے ہوئی تھی دوستی اپنی
مجھے کیسے گوارا ہو گئی تھی دشمنی اپنی

خوشی کے چند لمحے دشمنِ صبر و سکوں نکلے
سراپا درد بن کر رہ گئی ہے زندگی اپنی

اُتر کر اُس کے دل سے گر گیا اپنی نگاہوں سے
قضا کی جستجو میں پھر رہی ہے زندگی اپنی

الاپے تھے محبّت نے جو نغمے ان کی محفل میں
وہی نغمے ابھی تک سن رہی ہے خامشی اپنی

بتا اے عشق یہ بھی کوئی اندازِ عنایت ہے
میں اپنی بزم میں محسوس کرتا ہوں کمی اپنی

شبوں کو تا بکے پی پی کے آنسو جاگتے رہنا
مجھے یہ ڈر ہے کھو بیٹھیں نہ آنکھیں روشنی اپنی

مری محتاط فطرت حُسن کی آنکھوں کا پردہ ہے
مجھے محبوب سے محبوب تر ہے مفلسی اپنی

جو میری زندگی میں رنگ ناکامی کا بھرتے ہیں
کبھی روئیں گے سُن کر داستانِ زندگی اپنی

مجھے احسان اک ناقدرداں نے غم وہ بخشا ہے
مسرّت لوٹ کر آئے نہ شاید جیتے جی اپنی

ایک تصویر

کیا بتاؤں کون ہے اس پردۂ تصویر میں
سحر ساکن ہوگیا ہے حسرتِ تشہیر میں

حشر در دامن ہے انوارِ تبسّم کی ضیا
اک تو عورت اور پھر اُس پر جوانی رونما

خوبیوں پر اس کی ہر تعریف کا جامہ ہے چُست
اس کو جو کہدو بجا ہے اس کو جو لکھدو درست

پیکرِ صد رنگ و بُو جانِ بہارِ زندگی
زندگی میں ساقی میخانہ زارِ زندگی

بانیٔ سوزِ جگر پرِ چشم کشائے التفات
دشمنِ صبر و سکوں مشاطۂ زلفِ حیات

روحِ بزمِ آرزو شمعِ خیالستانِ دل
طائرِ بامِ تخیّل حاصلِ دیوانِ دل

سوز کی تحریکِ چشمِ برق پرور کا فسوں
موجدِ طرحِ قیامت مطربِ سازِ جنوں

نوعِ انسانی کا یہ افسانہ لامحدود ہے
اس ہیولیٰ میں مکان و لامکاں موجود ہے

مطلعِ دیوانِ فطرت مقطعِ نظمِ جہاں
قدسیوں کے دلنشیں خوابوں کی رنگیں داستاں

پردۂ چشمِ بصیرت پر نقوشِ رنگ و بُو
خاک کے ذرّات میں یزدانیت کی آرزو

کیف کی موجیں، نشے کی لہر، گلشن کی بہار
شمع کی لرزش، قمر کا نور، پھولوں کا نکھار

محفل انجم کی سرگوشی، صبا کی تھرتھری
چاندنی شب کی ردا، نغمات کی افسونگری

کہکشاں کی سادہ روئی، انجمستاں کا جمال
آنسوؤں کی جھلملاہٹ، برق کی تیغ جلال

کونپلوں کی سادگی معصوم کلیوں کی چٹک
سبزہ زاروں کی لہک، خوشرنگ پھولوں کی مہک

الغرض یہ نازشِ نیرنگیٔ کون و مکاں
گرم بازاری سے برساتی ہے ٹھنڈی بجلیاں

انسانی فطرت

شکلِ انساں ہو یا گلِ گلشن
دلکشی کو ثبات مشکل ہے

کیونکہ اوّل سے جذبۂ تخریب
فطرتِ آدمی میں داخل ہے

آخری رات کا مہمان

جرعۂ آخریں

اِدھر آؤ اِک بار پھر پیار کر لیں

نگاہوں سے رُوحوں کو سرشار کر لیں
مقدّر کو مِل جُل کے بیدار کر لیں

لبوں کو کہیں رہ نہ جائے شکائت
محبّت کا پُر جوش اظہار کر لیں

مَیں قُربان اِک بار پھر پیار کر لیں

اُبھرنے لگا تیرگی سے اُجالا
کوئی جیسے لے ڈُوبتے مَیں سنبھالا

چراغوں پہ چھانے لگی ہے اُداسی
کوئی دم میں ہے اب گُجر بجنے والا

جو مانو تو اِک بار پھر پیار کر لیں

اُجالے سے ظُلمت میں لہرا رہے ہیں
ستاروں کے دِل ڈُوبتے جا رہے ہیں

جُدائی کا ہنگام نزدیک تر ہے
تبسّم سے آنسُو ڈھلے آ رہے ہیں

ابھی وقت ہے آؤ پھر پیار کر لیں

لچکنے لگیں نرم شاخوں کی بانہیں لگیں بولنے بے زباں شاہراہیں
لبوں پر ہیں کچھ اُلجھے اُلجھے سے فقرے دلوں کی زباں بن چکی ہیں نگاہیں

اجازت ہو اِک بار پھر پیار کر لیں

اُکھڑنے کو ہے شب کی ظُلمت کا ڈیرا برسنے کو ہے آسماں سے سویرا
نقوشِ محبت پڑھے جا رہے ہیں کہاں پھر یہ قسمت میں اُجلا اندھیرا

مناسب ہے اِک بار پھر پیار کر لیں

محبت خُدا جانے کیا رنگ لائے یہ ذوقِ وفا جانے کیا گُل کھلائے
یہ وقتِ وداعی یہ ناساز منظر نہ جانے ہمیں کتنی راتیں جگائے

یہ موقع ہے اِک بار پھر پیار کر لیں

کہیں رازداری نہ کہہ دے فسانہ نہ ہو جائے ہم تم میں حائل زمانہ
میں اس رات کی صُبح سے ڈر رہا ہوں گلے مِل کے جانا گلے مِل کے جانا

ٹھہر جاؤ اِک بار پھر پیار کر لیں

مجھے کل نہ جب اِس جگہ پاؤ گی تم تصوّر کی اُلجھن میں کھو جاؤ گی تم
اگر راز پوچھے گی کوئی سہیلی نہ بولو گی اور اشک بھر لاؤ گی تم

یہ لازم ہے اِک بار پھر پیار کر لیں

یہ بے خواب چہرے پہ ہلکی اُداسی یہ تازہ سحر چاندنی باسی باسی
یہ رگ رگ میں انگڑائیوں کا سا عالم یہ دِل پچھلا پچھلا نظر پیاسی پیاسی

نہ بگڑو تو اِک بار پھر پیار کر لیں

پسینہ جبیں پر ہے شرما رہی ہو سحر کے تصوّر سے گھبرا رہی ہو
یہ سانسوں کی تیزی یہ سینہ کی دھڑکن قدم رُک رہے ہیں مگر جا رہی ہو

نہ جاؤ کہ اِک بار پھر پیار کر لیں

یہ کمتاب بے وقیمتوں کا ستارا یہ چہروں سے مسرورِ غم آشکارا
یہ خوابوں سے لبریز بوجھل پپوٹے اُتر آیا ہو جیسے پلکوں میں پارا

پھر اک بار اِک بار پھر پیار کر لیں

یہ مسرور سی نازشِ انتخابی
یہ مغموم سا عارضِ ماہتابی

یہ آغاز پر ناز کرتی محبّت
یہ انجام سے کانپتی کامیابی

غنیمت ہے اِک بار پھر پیار کر لیں

مری شاعری کی جوانی تمہیں ہو
جوانی کی رنگیں کہانی تمہیں ہو

جوانی کی رنگیں کہانی تو کیا ہے
مرا مقصدِ زندگانی تمہیں ہو

خدا حافظ اِک بار پھر پیار کر لیں

شادیٔ مرگ

نہیں کچھ فرقہ و مذہب کی تخصیص
وہ کوئی آذری ہو یا صلیبی

جوانی میں اگر ہو شادیٔ مرگ
شبابِ عمر کی ہے خوش نصیبی

تجزیۂ شباب

یاد ہے وہ دن کہ ہنگامِ غروبِ آفتاب
روئے عالم پر صباحت کی تھی ہلکی سی نقاب

تھی رمق باقی ابھی نبضِ ہوائے سرد میں
ہوتا جاتا تھا اضافہ دل کے میٹھے درد میں

رائے سینا میں وہ دیکھا جلسۂ رقص و سرود
جس میں تھے یکسر نئی تہذیب کے رسم و قیود

آ رہا تھا دل کے عنوانات کا آنکھوں میں رنگ
ولولوں میں چھڑ رہی تھی کفر اور ایماں کی جنگ

کشمکش میں تھی لبوں پر آرزو کی واردات
سامنے آنکھوں کے تھی اک جگمگاتی کائنات

مائلِ شبخون تھا ہر سو جمالِ بے پناہ
نرم رخساروں کی تابانی پہ لرزاں تھی نگاہ

دلنشیں آواز میں جھنکار وہ محشر اساس
جیسے پتھر پر گرے مستی میں ساقی سے گلاس

کھل رہے ہیں یوں ہوا سے گیسوؤں کے پیچ و خم
جس طرح اک شاعرِ خوشگو کا اندازِ رقم

موجِ مضطر تھی کہ جنبش اُن قمر پاروں میں تھی
آرزو کی جان خوں آشام تلواروں میں تھی

آج تک وہ مست گھڑیاں یاد آتی ہیں مجھے
رات کی ٹھنڈی خموشی میں رُلاتی ہیں مجھے

یادگارِ عشرتِ عہدِ جوانی ہائے ہائے
نیند کی دشمن خلش پرور کہانی ہائے ہائے

عہدِ برنائی ہے وہ احساس کی خلدِ نعیم
سنسناتی ہے جہاں سوز آفریں بادِ نسیم

یہ وہ میخانے کی شب ہے جس کی یادِ کیف بار
کرکے رہتی ہے ضعیفی کا کلیجا داغدار

یاد اس کمبخت کی آتی ہے جب شام و سحر
چاٹ جاتی ہے عروسِ عمر کے قلب و جگر

تلخ ہو جائے نہ جینا زندگانی میں مجھے
موت دے یارب مری اٹھتی جوانی میں مجھے

ایک غزل کے دو شعر

جس کی ہر ساعت کی قسمت میں ہیں آثارِ زوال
حُسن اس فصلِ بہاری کے سوا کچھ بھی نہیں

زندگی بھر سیکھتا ہی عشق فنِ رنج و غم
یہ جنونِ جاں نثاری کے سوا کچھ بھی نہیں

آ

محملِ راز سے نکل دشتِ مجاز میں بھی آ! لیلیٔ مدعائے دل مجلسِ ناز میں بھی آ!

یوسفِ مصرِ دلبری حجلۂ دل میں آ گئے بس بزم کے ہوش اُڑ چکے خلوتِ راز میں بھی آ

جلوۂ بے پناہ پر تنگ ہے وُسعتِ نظر شاہدِ بزمِ لامکاں بزمِ مجاز میں بھی آ

صبح و مسا کی جلوتیں وقفِ عوام ہو چکیں پچھلے پہر کی لذّتِ سوز و گداز میں بھی آ

خلوتیانِ ناز سے راز و نیاز تا بکے جانِ جہانِ آرزو حُسنِ مجاز میں بھی آ

پردۂ رنگ و نُور میں قید نہ کر تجلیّاں
فکرِ رسا کی شوخیٔ شعر طراز میں بھی آ

مشورۂ حجاب

حجاب! کس نے کہا ہے تجھے حجاب نہ کر؟ دلِ حزیں پہ یہ الطاف بیحساب نہ کر

ابھی سے اذنِ تماشا نہ دے تجلّی کو ٹھہر ٹھہر ابھی تکمیلِ اضطراب نہ کر

مری نظر کو ابھی ہوشِ دید رہنے دے ہر ایک ذرّۂ عالم کو بے نقاب نہ کر

مری تڑپ کو تری پردہ داریاں منظور نگاہِ شوق کو محرومِ اضطراب نہ کر

جہاں کو ناز کشِ انتظار پاتا ہوں نہ کر نظر کو مری واقفِ شباب نہ کر

بلا سے شامِ بلا ہے یونہی رہے پردہ غروب میری محبت کا آفتاب نہ کر

جو مجھ سے آنکھ ملاتا ہے تملاتا ہے اس اضطراب سے دنیا کو فیضیاب نہ کر

مری نگاہ کے نالوں کا کچھ جواب نہ دے مجھے بلند نگاہوں میں لاجواب نہ کر

خرابِ چشمِ کرم ہوں بس اور جام نہ دے
خرابِ مستیٔ رنداں مجھے خراب نہ کر

خوابِ شباب

کمالِ حسن کو پہنچی نہ جستجو کی نظر
تمام عمر رہینِ صد اضطراب رہی

رہی نگاہ پریشان تلاشِ ساقی میں
ہر ایک سانس الم خوردۂ شراب رہی

چمن کا رنگ مبدل رہا شراروں میں
مری بہارِ جوانی مری نقاب رہی

قدم قدم پہ زمانے نے کروٹیں بدلیں
ہر ایک چیز گرفتارِ انقلاب رہی

مجھے طبیعتِ صورت پرست نے مارا
فریب خوردۂ افسونِ آب و تاب رہی

مری حیاتِ تغافل شعار صد افسوس
حجابِ عقل سے نامحرمِ حجاب رہی

کیا نہ غور کبھی رازِ شبنمستاں پر
شعاعِ مہر سے ہر بوند سونیاب رہی

مگر وداعِ جوانی کا وقت جب آیا
نہ گل رہے نہ وہ گلپوشی شباب رہی

پڑی ہے اوس مجالس کی خوش مذاقی پر
شکستہ پائی اندوہ کامیاب رہی

نہ اب چمن میں وہ دلکش غنودگی کا سماں
نہ وہ جمال فروشیِ ماہتاب رہی

ہر ایک تان پہ جس کی تڑپ اٹھیں روحیں نہ دلنشیں وہ خوش آہنگیٔ رباب رہی
نہ سُن نہ سُن مری تعبیرِ غم طراز نہ سُن گناہگار جوانی برنگِ خواب رہی

غم والم سے تصادم رہا امیدوں کا
نشاط، زینتِ عنوانِ انقلاب رہی

شرافتِ بیجا

توقع دوستوں سے کیوں وفاداری کی ہے تجھکو
کسی کا کون اب شرمندۂ احسان ہوتا ہے
کسی کے ظرف سے بڑھ کر نہ کر مہرو وفا ہرگز
کہ اس بیجا شرافت سے بڑا نقصان ہوتا ہے

نشیب و فراز

حدیثِ رہگذر

سمجھ لیا تھا محبّت کو سنگِ بنیادی
تلاشِ دوست نے عالم کی خاک چھنوا دی

جنھیں خیالِ مسیحا نفس کیا میں نے
انھیں میں پائی ہلاکو کی شانِ جلّادی

ملا ہوں اُن سے بھی پُرہول خانقاہوں میں
جو ہیں نیاز کے پردے میں محوِ شدّادی

کھُلے ہیں مجھ سے وہ خلوت میں طفلکِ مکتب
جو بات تک نہیں کرتے بہ زعمِ استادی

ملے ہیں ایسے بھی ہر رُوپیے بہت مجھ کو
زباں پہ جن کی حمایت دلوں میں صیّادی

وہ اتحاد کے دشمن بھی خوب دیکھے ہیں
جو کالجوں کی فضا میں ہیں گرمِ نقّادی

مگر ملا نہ کوئی اس فضائے تیرہ میں
وہ شخص جس کے لبوں تک ہو دل کی آزادی

اسی طرح سے بھٹکتا رہا زمانے میں
چمن طرازیِ فطرت کے کارخانے میں

ملا فریب سے مجھ کو ہر ایک فرزانہ
تلاشِ دوست میں لیکن رہا میں دیوانہ

مغانِ نو نے دبئے ساغرِ شرابِ کہن چھلک سکا نہ مگر آرزو کا پیمانہ

نظر سے لاکھ حدیثِ غم و الم ٹپکی گئی نہ جرأتِ قربانیٔ خلیلانہ

بہت کرید کے دیکھے صنم گروں کے ضمیر ملا نہ ایک کے دل میں بھی رازِ بتخانہ

ہزار بار قدم سے لپٹ گئی منزل گیا نہ میرے قلمرو سے عزمِ مردانہ

مرے لبوں پہ رہی داستانِ مشتاقی مری نظر میں رہا رفعتوں کا افسانہ

خرابِ جلوۂ مستقبلِ قریب رہا تصورات کا ارماں طرازِ بتخانہ

تھا جبکہ تھک کے دلِ زار بیٹھ جانے کو

نوا کے رفیق ملا سوزِ غم مٹانے کو

اسی سے آئی شبِ تار میں درخشانی بنا وہ مصرِ تمنّا کا یوسفِ ثانی

وہی ہے مطلعِ حسرت کا اخترِ[1] تاباں نثار جس پہ تب و تابِ اخترستانی

زباں ہیں جس کی کلامِ کلیم کے انداز نظر میں جس کی خموشی کی مرتبہ دانی

ہر ایک لفظ ہے جس کا خلوص سے روشن ہر ایک بات میں جس کی ہے شرحِ انسانی

---

[1] مسٹر اختر حسین آئی۔سی۔ایس۔ جنھیں میں اپنے خیال سے ایک علمی پایہ کا ناقد سمجھتا ہوں۔ احسان

ہے جس کے ذہن میں اک مشرقِ شباب و چمن ہے جس کی روح میں جنّت کی جلوہ سامانی

ہے جس کے عدل کو ازبر سیاستِ قرآں ہے جس کی عقل کے ہاتھوں میں شمعِ عرفانی

دیا ہے جس کو وہ حق نے سلیقۂ تنقید کہ منکشف ہیں تجسّس پہ باقی و فانی

کچھ اس طرح مجھے دادِ کلام دیتا ہے
کہ لڑکھڑاتے عزائم کو تھام لیتا ہے

فریبِ مکرّر

زمانہ کرم مجھ پہ فرما رہا ہے جدا ہو کے ملنے کا لُطف آ رہا ہے

وہ کہتی ہے میری صداقت کو باطل یقیں کر رہا ہوں یقیں آ رہا ہے

مگر تجربہ کہہ رہا ہے کہ شاعر!
دوبارہ فریبِ وفا کھا رہا ہے

ضیاء و ظلمت

(کلکتہ میں کہی گئی)

او ستم کیش سیہ کار، ریا کے بندے
پھر اُسی طرزِ دلِ افگار سے دیکھا مجھکو

رنگتی ہے ترے ماتھے پہ تصنّع کی شکن
تو اور اس صورتِ مکروہ سے دھوکا مجھکو

تیرے ہونٹوں پہ ہے باطل کے تعفّن کی نمی
تیرا امروز ہے آئینہ فردا مجھکو

میرا اللہ، تیرا تکیہ ترا دولت پہ مدار
تجھکو سکوں پہ ہے، بازو پہ بھروسا مجھکو

میرے سینے میں ضیا بار ہے ایماں کا چراغ
مت سمجھ اپنی طرح کفر کا بندہ مجھکو

ٹوٹ سکتا نہیں پردیس میں یوں دل میرا
ہے حمایت پہ مری جوہرِ قابل میرا

لب پہ دریائے جمن کے ہے فسانہ میرا
اُس کی اولاد[1] کو پروان چڑھایا میں نے

چشمِ حیراں میں بسائی ہیں بھیانک راتیں
لوریاں[2] دیکے گلستاں کو سُلایا میں نے

میری فریاد نے چیرا ہے خموشی کا جگر
صبح کو رات کی سیجوں سے اُٹھایا میں نے

---

[1] نہر جمن شرقی سے مراد ہے جو میرے وطن کاندھلہ کے پہلو میں بہتی ہے اور مجھے اس کی مزدوری کا شرف حاصل ہے
[2] اپنے اس زمانہ کی طرف اشارہ ہے جب میں ایک باغ میں رات کی چوکیداری پر مامور تھا۔ احسان

میرا[1] دلبند ہے ہر ایک جگر بند چمن — خارِ صحرا کو کبھی مُنہ نہ لگایا میں نے

اپنے افلاس کو مغرور بنا کر رکھا — سر نہ اب تک کسی چوکھٹ پہ جھکایا میں نے

میری دولت ہے توکّل مجھے سمجھا کیا ہے؟

میں جو بنگال میں تنہا ہوں تو پروا کیا ہے

خون[2] ہے جذبِ مرا سیکڑوں دیواروں میں — گرچہ بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہ گئی

دامنِ ضبط نہ چھوڑا مری خودداری نے — گرد سے آئینۂ دل کی صفائی نہ گئی

اس کے با وصف کہ پامال و زبوں حال رہا — دل سے اُمّید کی میّت بھی اُٹھائی نہ گئی

ضبط سے شورشِ پنہاں کا تقاضا نہ رُکا — آگ یہ صبر کے دامن میں چھپائی نہ گئی

رنگِ طوفانِ حوادث کا اُڑایا سو بار — خاک لیکن درِ دُنیا پہ اُڑائی نہ گئی

راحتیں نذر ہیں دیں سوزِ نہانی نے مجھے

خوب چمکایا مری شعلہ بیانی نے مجھے

حسنِ فطرت کا پرستار ہوں فطرت کی قسم — صُبح آتی ہے بدستور ہنسانے کیلئے

---

[1] اپنے باغبانی کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے۔

[2] اس سے میرا وہ زمانہ مراد ہے جب میں معماروں کے پاس خشت برداری کیا کرتا تھا۔ احسان

مجھ پہ پڑتی ہے لرزتے ہوئے تاروں کی نظر
اپنا افسانۂ تنویر سنانے کے لئے

پھول کہتے ہیں نگاہوں میں بسا لے ہم کو
ٹہنیاں ہاتھ اٹھاتی ہیں بلانے کے لئے

رات آتی ہے مزامیرِ خموشی لے کر
مجھ کو اک نغمۂ پُر کیف سنانے کے لئے

ذرّے ذرّے سے ٹپکتی ہے محبّت کی طلب
حُسن مضطر ہے نگاہوں میں سمانے کے لئے

سرمدی جام پلاتی ہیں ہوائیں مجھ کو
کاش بستی کے درندے نہ ستائیں مجھ کو

محبّت اور وفا

میں اپنے چشم و دل کے تجربہ سے
پرکھتا ہوں مزاجِ نور و ظلمت
محبت اک ہوس کی پرورش سے
وفاداری مقاصد کی حفاظت

تکمیلِ نشاط[۱]

سرِ صحنِ چمن اک رتجگا تھا — تھی ہر سو وجد کن بادِ شمالی

چراغوں کی جگہ روشن تھے تارے — بچھی تھی چاند کی سیمیں اُجالی

ترنّم ریز تھے حوروں کے بربط — جلو میں دلنشیں غلماں دفالی

فضائیں تھیں لبالب مستیوں سے — برستا تھا سُرورِ لایزالی

نشاط انگیز نغمے چھا رہے تھے — تھا ہر اک شے میں حسنِ لازوالی

مہیّا سب تھا سامانِ مسرت — تخیّل سے پرے تھی پائمالی

مجسّم تھے شباب انگیز جلوے
مکمّل تھی بہاروں کی بحالی

---

۱ یہ نظم پہلے "تصویرِ خیالی" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے جو ایک جلسہ کی ضرورت کے مطابق ڈھال لی گئی تھی اب اصل نظم درج ہے۔

داغِ جاوداں

(ایک عزیز دوست کے انتقال پر)

یہ جانتا ہوں کہ آج دُنیا میں کوئی شے دلنشیں نہیں ہے
فضا پہ حسرت برس رہی ہے صبا حیات آفریں نہیں ہے

اُداس ہے آسماں کی محفل وہ شانِ ماہ مبیں نہیں ہے
صبا کے دامن کی پنکھڑیوں میں شمیم عطر آفریں نہیں ہے

مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

مری نگاہوں میں بزمِ فطرت سیاہ جامہ بدل رہی ہے
کلی کلی کے لبوں سے گویا فغانِ سوزاں نکل رہی ہے

بہار کا ابتسام گم ہے خزاں کی چتون مچل رہی ہے
جہاں کی عشرت فروش محفل خزاں کے سانچے میں ڈھل رہی ہے

مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

حیاتِ خودسر کے گیسوؤں کو جنوں میں برہم بھی کر چکا ہوں

تقاطرِ چشمِ تر سے پیدا حبابِ شبنم بھی کر چکا ہوں،

غرور و نخوت کے آسماں کو زمیں تلک خم بھی کر چکا ہوں

ترا ہی ماتم نہیں کیا ہے میں اپنا ماتم بھی کر چکا ہوں

مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

سپردِ اندوہ کر چکا ہوں بشاشتوں کا نگارخانہ

ہوا نہ مقبول بے نیازی دعا کا اندازِ عاجزانہ

کچل رہی ہے دل و جگر کو فلک کی رفتارِ کجروانہ

سحر کے تارے سے کہہ رہا ہوں لٹی ہوئی رات کا فسانہ

مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

تو میرے خوابیدہ آنسوؤں کو رلانے والے جگا چکا ہے

نصیبِ بیداریوں میں خوابِ عدم کا منظر دکھا چکا ہے
مری امیدوں کی انجمن میں مآل پردہ اُٹھا چکا ہے
زمیں کے تاروں سے ایک تارا فلک کے تاروں میں جا چکا ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

شہرِ حبیب

ہر ایک شے میں ہے اک حسنِ سرمدی کی جھلک نظر فریبیٔ شہرِ حبیب کیا کہنا؟
یہ نارسائیٔ قسمت کہ سر بہ خم ہے نظر رسا ہوا ہے کہاں تک نصیب کیا کہنا؟
بہا ہے راہِ محبت میں خونِ آزادی یہ حادثاتِ عجیب و غریب کیا کہنا؟
مگر وہ پیکرِ نازش وہ راحتِ اُمید نظر سے دُور ہے دل سے قریب کیا کہنا؟

اسی خدا کے بھروسے پہ ناز تھا احسان
صد آفتوں کا مآلِ عجیب کیا کہنا؟

غمِ ناگہاں

منظرِ ارض و سما ہے گریہ ساماں کیا ہوا
خون برساتی ہے چشمِ اشک افشاں کیا ہوا؟

دیکھتے تھے روز آنکھوں سے چمن لٹتے ہوئے
آج کیوں ہے دل کو اندوہِ فراواں کیا ہوا؟

ناتواں کیوں ہو گئی آخر تمنّاؤں کی پشت
اُف سیہ روزی مری عشرت کا ساماں کیا ہوا؟

کیا بنی کیوں غنچۂ نوخیز مرجھانے لگے
اے چمن افروزئ فصلِ بہاراں کیا ہوا؟

خود بخود کیوں پیرہن کی دھجّیاں اُڑنے لگیں
آستیں پر کیا بنی، آخر گریباں کیا ہوا؟

ہو گیا کیوں عقل پر غالب جنونِ رنج و غم
چاک کیوں ہونے لگا ہستی کا داماں کیا ہوا؟

کیوں نگاہیں آج رک رک کر اُٹھاتی ہیں قدم
اے فسوں رفتارئ ابرِ خراماں کیا ہوا؟

گنگ ہو کر رہ گئیں ناطق ہوائیں کس لئے
چپ ہیں آخر کیوں مرغانِ خوش الحاں کیا ہوا؟

ہو گئے سر در گریباں حسرت و ارماں تمام
اے شبابِ عشق عزمِ کوئے جاناں کیا ہوا؟

آنسوؤں میں خونِ دل کی رنگ آمیزی ہے کیوں
تھا جو وہ رگ رگ میں ارمانوں کا طوفاں کیا ہوا؟

لُٹ گیا کیوں نکہتِ نسیمِ صبح کے جھونکوں کا لوچ
سسکیاں کیوں بھرتی ہے بزمِ گلستاں کیا ہوا؟

بھر دیا کس نے فضا میں مرگِ سحر دمی کا درد
کیوں کمیں کر رہ گئے ہیں سنبلستاں کیا ہوا؟

روح کے بربط پہ طاری ہے سکوتِ غم فروش
صبحِ محشر بن گئی شامِ غریباں کیا ہوا؟

ایسے عالم میں بھی کیا آنسو زباں بنتے نہیں
کچھ تو کہہ اے دیدۂ خونناب افشاں کیا ہوا؟

زندگانی جس سے تھی خوابِ گلستاں در کنار
وہ مرا یوسف[1] وہ رشکِ ماہِ کنعاں کیا ہوا؟

خون روتے ہیں سبھی ارکانِ تعمیرِ ادب[2]
کیا ہوا جانِ ادب یوسف علیخاں کیا ہوا؟

---

[1] میرے محترم دوست میر یوسف علی خاں عزیزؔ جو کوئٹہ کے زلزلے میں راہیِ عالمِ بقا ہوئے۔

[2] انجمن تعمیرِ ادب۔ مزنگ۔ لاہور

نپولین

ترقی پر تری حیراں ہے بزمِ روزگار اب تک
جگر داروں میں ہے تیرے ارادوں کا وقار اب تک

تری نصرت کے چرچے آج تک ہیں کامیابوں میں
تری تصویر اب بھی شب کو کھنچ جاتی ہے خوابوں میں

تخیل کی فضا رنگیں ہے تیری داستانوں سے
دلِ تاریخ روشن ہے ترے زریں فسانوں سے

ترے قدموں پہ نازاں ہے زمینِ کارزار اب تک
تصور میں تری خونریزیاں ہیں لالہ کار اب تک

تجھے اٹلی کی خونیں شاہراہیں یاد کرتی ہیں
تجھے ضیغم شکاروں کی نگاہیں یاد کرتی ہیں

ترا سکہ ہے اب تک مصر کے شاہی خزینے میں
امانت ہیں ترے نقشِ قدم پیرس کے سینے میں

ترے مرقد پہ اب تک ہیبتِ مردانہ طاری ہے
سکوتِ مرگ میں مستور شانِ بردباری ہے

بادشاہ اور ادیب

ادب کے گلستاں میں جو رزخِ خزاں نے | بنا ہر طرف سینہ کوبی کی ڈالی
گئے راشد الخیری[1] و برق[2] و بیدم[3] | الم جن کا ہے روح کی پائمالی
خلیقی[4] و ہادی[5] نے بھی منہ کو موڑا | ہوئی حشر[6] سے حشر تک بزم خالی
شمیم[7] اور ابنِ علی[8]، عرش[9] و ناصر[10] | گئے دیکے سب داغِ شیریں مقالی
اُٹھا بزم سے اصغرِ[11] نغز فرما | تصوّف کا حامی، تغزّل کا والی
بساطِ جہاں میں خیالِ[12] اب کہاں ہے | دلوں میں ہے اک یادِ نازک خیالی

---

[1] مولانا راشد الخیری دہلوی [2] مہاراج بہادر برق دہلوی [3] حضرت بیدم وارثی [4] مولانا خلیقی دہلوی [5] مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی [6] آغا حشر کاشمیری [7] شیو نرائن شمیم [8] سیّد ابن علی مدیر نیّرِ اعظم مراد آباد [9] حضرت عرش گیاوی [10] سید ناصر نذیر فراق دہلوی [11] حضرت اصغر گونڈوی [12] نواب نصیر حسین خیال عظیم آبادی

بس اک پریمؔ چند ایسا انساں رہا تھا | کہ تھی جس سے اردو کے رخ پر بحالی
مگر آ گیا یہ بھی دام اجل میں | فغان است بر عالم خستہ حالی
غرض ان ستاروں کی ضو پوشیوں سے | سحر کی ضیا پاشیاں بھی ہیں کالی
اسی سال کھا کر فریبِ مقدّر | جدا سلطنت سے ہوا شاہ عالی[۲]

مگر تخت پر شاہ کے شاہ[۳] بیٹھا
ادیبوں کے منبر ہیں خالی کے خالی

---

[۱] منشی پریم چند آنجہانی۔

[۲] ایڈورڈ ہشتم ______ جنھوں نے اپنی محبوبہ مسز سمپسن کی خاطر تاج و تخت کی پروا نہیں کی اور انکی دست برداری کے بعد جارج ششم ان کی جگہ تخت نشین ہوئے۔

[۳] جارج ششم

______ احسان دانش

یادِ وطن

اے وطن والو اسیرِ ظلمتِ قسمت ہوں میں — تم سے اک بچھڑا ہوا آوارۂ غربت ہوں میں

تم بھلا بیٹھے مجھے اچھا! رہو دنیا میں شاد — مجھکو لیکن اب بھی وہ فردوس کے ٹکڑے ہیں یاد

گاہے وہ صبحیں گھٹا میں گونجتی تھی جب اذاں — گاہے وہ شامیں جب آجاتے تھے جنگل سے کساں

گاہے گرمی کی بھبکتی دوپہر کا اشتعال — جس میں تالابوں سے بھینسوں کا نکلنا تھا محال

گاہے بے ترتیب جنگل میں ادھر ندی کے پار — شام کے گہرے دھندلکے میں کسی کا انتظار

گاہے سیمیں عارضوں میں اشکبار آنکھوں کی رات — جن کی زد پر آگے جھک جائے دلوں کی کائنات

گاہے پتلے نرم ہونٹوں کے ہلالوں کی قطار — اور ان سے اک طرب پرور تبسم کی پھوار

گاہے وہ اٹھے ہوئے دل سے لبوں میں تھرتھری — شاہ رگ میں اک کسک آنکھوں میں ہلکی سی تری

گاہے گورستان میں بھیگی ہوئی شب کا سماں — ٹمٹماتی نیم جاں شمعوں کی غمگیں ہچکیاں

گاہے وہ گرمی اڑا کرتی ہے جب ندی پہ دھول — ڈھاک کی شاخیں اگل دیتی ہیں آتش رنگ پھول

گاہے وہ گھبرا کے چونک اُٹھنا ذرا سونے کے بعد ‏ گاہے وہ شاداب اطمینان سا رونے کے بعد

گاہے وہ آنسو ستم ڈھاتے ہیں جانِ زار پر ‏ دم زدن ہی میں ڈھلک آتے تھے جو رخسار پر

گاہے وہ ٹھنڈی نشے میں چُور راتوں کی فضا ‏ ٹین کے چھپر پہ ہلکی مینہ برسنے کی صدا

گاہے وہ کھیتوں کی گہری سبزیوں میں دن ڈھلے ‏ سرد پانی کی چھلکتی نالیوں کے حاشیے

گاہے وہ منظر شوالوں پر ہو جب دورِ خزاں ‏ خشک ٹیالی تپادر میں چھما چھم بوندیاں

گاہے ہل والے سے تھوڑی دُور جامن کے تلے ‏ کھیت کے پہلو میں جالوں پر ستارے اوس کے

ہائے وہ روشن اندھیرا یہ سیہ رخشندگی ‏ دشمنِ صبر و سکوں کہیے کہ جانِ زندگی

کربِ دُوری جب ستاتا ہے تو رو لیتا ہوں میں
اشک پیہم سے غبارِ روح دھو لیتا ہوں میں

خاندانی شرافت

(خان صدر الدین خاں صاحب کے بچوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر)

سکونِ قلبِ ظہیر و عزیزِ من شبیر
مرا تمہارے رویہ نے کر دیا دل شاد

مبارک اس کو کہ جس ماں کے تم ہو لختِ جگر
مبارک اس کو کہ جس باپ کے ہو دل کی مراد

کمال ہے کہ ہوں جہاں نوانہ اس درجہ
وہ طفل جن کے مفتخر ہوں آبا و اجداد

میں دیکھتا ہوں کہ اکثر وہ صاحبِ توقیر
ملی ہے جن کے مدارج کو غیب سے امداد

بڑھے کچھ ایسے خدا سے بھی ہو گئے منکر،
جمے کچھ ایسے کہ ایماں کی ہل گئی بنیاد

وہ خود گئے تو گئے اُن کے دیکھ کر تلِ طور
لپک کے چار قدم ان سے بڑھ گئی اولاد

تمھیں نصیب کرے عمرِ خضر ربِ جلیل
تمھاری فکر و نظر ہوں بلند و آزاد

دل و دماغ میں روشن ہوں پُر ضیا شمعیں
حصولِ علم میں اللہ دے تمھیں امداد

کہاں تم اور کہاں میں حقیر و بے قیمت　　تم ایک صاحبِ خرمن میں ایک بے بنیاد
ہر ایک بات تمھاری نبات و قند و شکر　　نفس نفس مرا ہم رنگِ نالہ و فریاد
خدا کے فضل سے تم واصلِ سرود و سُرور　　گرفتِ رنج و الم میں مرا دلِ ناشاد
تمھارے سامنے رفعت کے زرفشاں زینے　　مری نگاہ میں ویرانہ عدم آباد
تم ایک صاحبِ عظمت کیے قلب کی تسکیں　　میں کوچہ گرد و گدا حال و خانماں برباد

ہے اس پہ مدِ نظر تم کو میری دلجوئی!
بہت بلند ہے فطرت بڑے ہو نیک نہاد

سعیدِ دیں ہے تمھارا برادرِ اکبر　　یہ شانِ پشت پناہی تمھیں مبارک باد
ہیں اس میں بھی یہی پدری شرافتیں ضوریز　　متین وقت سے بڑھکر حلیم حد سے زیاد
خفیف موجِ تبسم میں فصلِ گل بروشن　　خموشیوں کے تکلّف ہیں زمزمے آباد

ضیا فشاں ہے ہر اک ذرّہ مہرِ روشن کا
شریف کیوں نہ ہو آخر شریف کی اولاد

ہیں باپ میں بھی باندازۂ اَتم موجود — صفائے قلب، بلوغِ نظر، خیال آزاد
بشر شناس، بشوش، ادب نواز، ادیب — عجب مشیر، عجب زندہ دل، عجب استاد
ہُنر پسند، ریا و فریب سے نافر — ہر اک کے واسطے دل میں فیضِ امداد
ہر اک سے راہِ محبت ہر اک سے رسمِ خلوص — کسی سے بغض نہ کینہ، نہ دشمنی، نہ عناد
یہ سب درست مگر اے چمن فزا غنچو! — جو بن پڑے تو یہ شاعر کی بات رکھنا یاد
نصیب ہوں تمھیں جب اوجِ شوکت و دولت — کبھی غرور نہ کرنا بہ حرمتِ اجداد
نظر کے سامنے رکھنا شعارِ آبائی — وگرنہ رحم سے خالی ہے عالمِ ایجاد
زمانہ تم کو کسوٹی پہ کس کے پرکھے گا — سُنی نہ جائیگی ماضی کی حال میں روداد

سنبھل کے وادیٔ دُنیا میں گامزن ہونا
یہاں ہر ایک قدم پر ہے خطرۂ اُفتاد

معصومیت

(ایک بچّہ کو دیکھ کر)

یہ جگر پارہ یہ ننھی جان یہ طفلِ حسیں — مانتا ہوں میں کہ دُنیا سے ابھی واقف نہیں

شمع پر جھکتا ہے لیکن کس لئے پروانہ وار — اس کا دل شاید مرے دل کی طرح ہے بیقرار

مجھ پہ ہوتا ہے عجب اس کے تبسّم کا اثر — دیکھتا ہوں روح میں نورِ مسرّت جلوہ گر

مسکرا کر جب یہ سینے سے لپٹتا ہے کبھی — دل کے دامن پر چھلکتی ہے شعاعِ بیخودی

یہ فدائی جان اور بیگانۂ پرخاش و کیں

فتنہ آباد جہاں میں بے نیازِ کفر و دیں

مرکزِ چشمِ تماشا ہے بزمِ نگاہ — بے نیازِ خیر و شر ناواقفِ ذوقِ گناہ

فطرتِ بے رنگ میں اک جوششِ رنگِ نمود — بحرِ ہستی کے طغیانِ دل آرا کا وجود

اس کی ماں جب گیت گا گا کر جھلاتی ہے اسے — رحمتِ حق تھپکیاں دیکر سلاتی ہے اسے

اپنی طفلی کا زمانہ یوں مجھے آتا ہے یاد — جس طرح یادِ وطن میں غرق کوئی نامراد

یا چمن میں کیف برساتی ہوئی بادِ نسیم روح کی وسعت پہ لہراتی ہوئی موجِ شمیم

مست ساون کی پھواروں میں گلوں کی انجمن سبزہ زاروں میں خرامِ شاہدِ گل پیرہن

صبحِ صادق کے دھندلکے میں کسی کونے کے پاس کروٹیں لیتی ہوئی شاخوں سے کلیوں کا نکاس

تشنگی میں میکشوں کو مژدۂ مینائے مے چاندنی راتوں میں لہراتی ہوئی بنسی کی لے

مینہ برس کر رات کو چھٹ جائیں بادل جس گھڑی لہلہاتے مرغزاروں پر رو پہلی چاندنی

یا گجر دم سرد جھونکوں کا خرامِ تازہ کار سبزۂ شاداب پر شبنم کی بوندیں بیقرار

واقعاتِ عہدِ طفلی کو جو دہراتا ہوں میں
بیخودی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ کھو جاتا ہوں میں

عروسِ نو کی صبحِ اوّلیں

دیدۂ عبرت سے یہ بزمِ حزیں دیکھے کوئی — اس عروسِ نو کی صبحِ اوّلیں دیکھے کوئی

شوق کی لوٹی ہوئی حسرت کی تڑپائی ہوئی — آ رہی ہے تلخئ خلوت سے گھبرائی ہوئی

رُخ پہ رنگِ ماتمِ معصومیت چھایا ہوا — جیسے کوئی پھول ہو گرمی سے مرجھایا ہوا

منفعل انجام پر ذوقِ نہانی کا غرور — پانی پانی شرم سے اُٹھتی جوانی کا غرور

ملگجی آنکھوں سے اک آزردگی سی آشکار — حسرتوں میں شرمساری نازشوں میں انکسار

کہہ رہی ہیں کسل میں ڈوبی ہوئی انگڑائیاں — وقت کی روندی ہوئی رعنائیوں کی داستاں

شام تک تھی جس میں اُمیدوں کی دنیا بیقرار — اب وہ سینہ ہے عروسانہ اُمنگوں کا مزار

جن نگاہوں میں تھا کل شرم و حیا کا ازدحام — اب اُنھیں سے ہے عیاں دوشیزگی کا انتقام

رات تک جن میں جھلکتی تھی ضیائے نوبہار — اب اُسی ماتھے پہ ہے رنگِ ندامت آشکار

کر رہا ہے بے طرح محسوس قلبِ خود پرست — آرزوؤں کی پشیمانی، نزاکت کی شکست

دیدنی ہے اس نچی کھسٹی جوانی کی اُمنگ یہ کھلی زلفیں، یہ باسی ہار، یہ چہرے کا رنگ

کل جو گلشن رشکِ جنت تھا نظر کے سامنے اب ہے ویراں دیدۂ معنی نگر کے سامنے

آہ! اب دنیا میں دنیادار ہو جائے گی یہ راحتِ دل کی تمناؤں میں کھو جائیگی یہ

ہر نظر موجِ تمنائے طرب بن جائے گی ہر ادائے مضطرب دستِ طلب بن جائیگی

گدگدائیں گے اسے دن رات پیکانِ نشاط حسرتِ زر، خواہشِ اولاد، ارمانِ نشاط

اس کی ہر تدبیر ہوگی کارفرمائے ہوس اس کی ہر اک سانس میں ہوگا تقاضائے ہوس

رفتہ رفتہ اُس پہ آخر وہ زمانہ آئے گا
اس کا دل احسان اک ماتم کدہ بن جائیگا

مرگِ اکرم

اے جہاں آباد اے ماتم سرائے کائنات!
اے سرابِ کیف اے بزمِ اسیرانِ حیات!

اے عروجِ پست منزل اے فروغِ بے ثبات
اے پناہِ عاصیاں اے رہزنِ راہِ نجات

اے سرورِ غم فزا اے انبساطِ جاں ستاں
اے خزاں پرورِ گلستاں اے نشاطِ غم نشاں

تیرے ہر قطرے کا سینہ مقتلِ روحِ امید
شامِ کفر انگیز تیرا جلوۂ روزِ سعید

تیرے ہنگاموں میں چھن جاتی ہے جنت کی کلید
تیری ماتم گاہ میں ہے شورشِ ہل من مزید

تیری آبادی میں ہے جوشِ تباہی موجزن
تیری تنویروں میں ہے غم کی سیاہی موجزن

تیری تسکینوں میں پلتا ہے جہانِ اضطرار
تیرے بربط کے ترانے دشمنِ صبر و قرار

تیرے زرّیں ساتگیں لبریزِ خونِ میگسار
یہ تری صورت یہ سیرت شرم کر اے فتنہ کار

۱؎ محمد اکرم خاں میرا عزیز ترین دوست ایف سی کالج میں بی اے کا طالبعلم تھا جو عمر کی انیسویں بہار میں راہی عدم ہوا۔ احسان

تیرے گلزاروں میں چلتی ہے الم افزا نسیم
تیرے پھولوں سے نکلتی ہے خلش پرور شمیم

ہیں ترے رنگیں مناظر روح فرسائے حیات — جذب ہو کر تجھ میں رہ جاتا ہے خونِ التفات
تیرے آئینے میں حیراں ہے خرد کی کائنات — تف تری آرائشوں پر اے جہانِ بے ثبات

جو تری محفل سے اٹھا ہائے پچھتاتا اٹھا
ہاتھ ملتا خون روتا اشک برساتا اٹھا

تیرا ظاہر ہے نظر افروز باطن ہے سیاہ — چونک اٹھتا ہے ترے نغموں سے خوابیدہ گناہ
گرتی ہے کشتِ تمنا پر تری برقِ نگاہ — تیرا چرکا بے مداوا تیرا افسوں بے پناہ

بوئے نادانی ترے گلہائے دانائی میں ہے
ناشناسی تیرے آئینِ شناسائی میں ہے

موت جب کرتی ہے اک اٹھتے جواں کو پائمال — یعنی ہوتا ہے کسی کے لاڈلے کا انتقال
لاش پر روتے ہوئے ماں نوچتی ہے سر کے بال — سینہ کوبی کر کے ہوتی ہے نئی بیوہ نڈھال

پارہ پارہ غم سے بھائی کا جگر پاتا ہوں میں
غمکدے کو قبر سے تاریک تر پاتا ہوں میں

اب بھی ہے لیکن ترا زندانِ روحانی وہی
شان رکھتی ہے تری فرعون سامانی وہی

تیری قندیلِ طرب میں ہے درخشانی وہی
تیری محفل کے چراغوں میں ہے تابانی وہی

تیرے قانونِ ستم رانی میں فرق آتا نہیں
کیوں زمیں ہلتی نہیں کیوں چرخ تھراتا نہیں

چار دن گزرے کہ اے ہنگامہ زارِ ہاؤ ہو!
اک ستارے کی ضیا تھی شمعِ بزمِ آرزو

روح کو تھی نغمۂ داؤد جس کی گفتگو
ہر نفس تھا غیرتِ موجِ نسیمِ مشکبو

آج اس اکرم کے مرنے کی خبر سنتا ہوں میں
المدد اے جذبۂ یعقوب سر دھنتا ہوں میں

یہ سمجھتا ہوں کہ اب آنسو بہانا ہے عبث
دن کو خاموشی شبوں کو تلملانا ہے عبث

نالہ و فریاد عالم کو سنانا ہے عبث
آپ رونا اور عزیزوں کو رلانا ہے عبث

اس کا رونا ہے کہ انساں کس قدر مجبور ہے
نالہ واماندہ ہے اور بابِ اجابت دور ہے

تجربہ کا اثر

دل کا سکوں ہے وعدہ و پیماں سے بے نیاز | ذوقِ نظر ہے جلوۂ خوباں سے بے نیاز

بوئے گلاب آتی ہے کانٹوں کی سانس میں | اب ہے مشامِ روحِ گلستاں سے بے نیاز

محدود اب ہے گنبدِ دل تک صدائے غم | دستِ جنوں ہے جیب و گریباں سے بے نیاز

ویرانہ ساز ہے مری ہر جنبشِ نظر | وحشت ہے کوہسار و بیاباں سے بے نیاز

معدوم ہو چکی ہے تلاشِ وفا کی دھن | اب زندگی ہے چشمۂ حیواں سے بے نیاز

کہتی ہے دوستوں کی خموشی یہ زیرِ لب | صبحِ وطن ہے شامِ غریباں سے بے نیاز

اب محفلِ طلب میں امیدِ کرم نہیں | دل ہو چکا ہے زیست کے ارماں سے بے نیاز

اب دل غم و الم کی حقیقت کو پا گیا | مضرابِ آرزو ہے رگِ جاں سے بے نیاز

آنکھیں مزارِ حسرت و ارماں ضرور ہیں | لیکن یہ مقبرے ہیں چراغاں سے بے نیاز

کل تک نہ چین تھا مجھے اک شخص کے بغیر | اور آج ہوں میں بزمِ رفیقاں سے بے نیاز

شاعر کا پیغام

(دورِ خستگی کی یاد)

ہو مبارک تجھکو یہ پُرکیف آغازِ بہار　　آشکار انارِ محفل سی ہے اندازِ بہار

قصۂ ماضی کو دُہرا درسِ عبرت کیلئے　　اب ہیں پامالِ خزاں جو کل تھے ممتازِ بہار

ڈگمگا جائیں نہ تیرے راہِ الفت سے قدم　　تجھ پہ وَا ہو گا معمائے چمن، رازِ بہار

سبزۂ پامال میں رُوحِ لطافت پھونکدے　　اب ہے تیرا ہر نفس پیغامِ اعجازِ بہار

چشمِ گلچیں سے بچا معصوم کلیوں کا جمال!　　تجھکو دمسازِ چمن کہتے ہیں جانبازِ بہار

تو مبادا غم نصیبانِ چمن کو بھول جائے
یہ نہ ہو تو دردمندانِ وطن کو بھول جائے

گلستاں میں رہ مگر صیّاد سے غافل نہ ہو!　　زمزموں میں شاکئ بیداد سے غافل نہ ہو!

کھانا جب کھائے تو فکرِ فاقہ کش بھی ہو ضرور　　گھر میں رہ کر خانماں برباد سے غافل نہ ہو!

ہے ترے سر پر فرائض کی گھٹا اُمڈی ہوئی — شغلِ عشرت میں خدا کی یاد سے غافل نہ ہو!

علم کے فانوس روشن کر دبستاں کھول دے! — دیکھ ملک و قوم کی اولاد سے غافل نہ ہو!

گوش بر آوازہ فریاد سننے کے لئے — قابلِ امداد کی امداد سے غافل نہ ہو!

اب نرالی دھج سے میداں میں نکلنا چاہیئے
آنسوؤں کو خندۂ نو میں بدلنا چاہیئے

آدمی پیدا ہوا ہے کام کرنے کے لئے — کون کہتا ہے کہ وہ جیتا ہے مرنے کیلئے

لے سمٹ سمٹا چکی ظلمت پسندوں کی بساط — اب نکل ماحول کو پُر نور کرنے کیلئے

کھول دے ہر غم رسیدہ کے لئے بابِ کرم — مضطرب ہیں ڈوبنے والے اُبھرنے کیلئے

ڈال ہر ناچیز ذرہ پر نگاہِ شانہ کار — ہے پریشاں زلفِ آزادی سنورنے کیلئے

شاہراہوں کی مرمت سے کہیں چلتا ہے کام — دل کی راہیں کھول دے سب کے گذرنے کیلئے

رات کو چھپ چھپ کے گھر میں رونے والے ہیں بہت
سردیوں میں کنکروں پر سونے والے ہیں بہت

ملک کی اصلاح اک حکمت بھرا سر ہو تو ہو
چارہ سازِ بیکساں اک دیدۂ تر ہو تو ہو

اس طرح بختِ وطن بیدار ہو سکتا نہیں
نالۂ شبگیر رشکِ صورِ محشر ہو تو ہو

گدگدی سے بھی کہیں اٹھتا ہے دل میں دردِ قوم
ہر نگاہِ مضطرب اک نوکِ نشتر ہو تو ہو

اہلِ زر کو کیا خبر کس طرح سوتے ہیں یتیم
ہاں کبھی ان کے لئے کانٹوں کا بستر ہو تو ہو

کب کسی کی مانتے ہیں سربلندانِ دول
کارگر اس بزم میں تقریرِ خنجر ہو تو ہو

دل میں ہر انساں کے ذوقِ زندگی آباد کر
چاہے خود مٹ جا، غلامی پر نہ ہرگز صاد کر

خودداریٔ عشق

مصالحت سے شکستِ رقیب ممکن ہے
مگر مصالحت اس وقت میں ہے جرمِ عظیم

میں اپنے عشق کی تذلیل کر نہیں سکتا
مجاہدوں کی شریعت میں یہ نہیں تسلیم

سفری سانحہ

(بھوساول (سی پی) جاتے ہوئے)

بُھساول کی جانب روانہ ہے گاڑی تپش اس قدر ہے جہاں تپ رہا ہے

زمیں ہلکا ہلکا دھواں دے رہی ہے، فضا گرم ہے آسماں تپ رہا ہے

اِدھر دوپہر کی بھبکتی جوانی دریچوں میں بھوبل سی برسا رہی ہے،

اُدھر ریل گاڑی ڈگا مگ ڈگا مگ خراماں خراماں چلی جا رہی ہے

یہ تپتی ہواؤں کے مسموم جھونکے اور ان میں اک انسان فاقوں کا مارا

چراغ نظر کی ضیا دُھندلی دُھندلی امیدوں کا ذاتِ خدا پر سہارا

ہے دس سال کا ایک معصوم بچہ، "آلِ جوانی" مددگارِ پیری

جو بشروں کو پرکھو شرافت شرافت، لباسوں کو دیکھو فقیری فقیری

نقاہت سے جب سانس کھاتی ہے ٹھوکر تو بچے پہ گہری نظر ڈالتا ہے

کہوں کس سے احسان یہ غم کا منظر مرے دل پہ کیا کیا اثر ڈالتا ہے

نہ چہروں پہ رونق نہ اعضا میں طاقت، جبینوں پہ ضو ہے نہ باتوں میں رس ہے

نہ جینے میں لذت، نہ مرنے پہ قابو، یہ صیدِ زبوں ہے، زمانہ قفس ہے

نہیں سینے میں داغِ بے التفاتی، کہ قلبِ حزیں پارہ پارہ نہیں ہے؟

یہ سب کچھ ہے لیکن کسی ہمسفر کو نگاہِ نوازش گوارا نہیں ہے

جو انساں سے انساں کو پہلے تھی الفت نہ جانے اس الفت کو کیا ہو گیا ہے؟

محبت تمنائے فطرت ہے لیکن، تمنائے فطرت کو کیا ہو گیا ہے؟

دلوں کے چمن ہیں چمن اب بھی لیکن وفا کی بہاروں سے محروم کیوں ہیں؟

محبت کے جذبے، اخوت کے جوہر، نہ جانے ضمیروں سے معدوم کیوں ہیں؟

اگر بے زری یونہی مجبور ہو گی اگر اہلِ زر یونہی مغرور ہونگے

تری بے رخی کی قسم تیرے بندے تجھے بھول جانے پہ مجبور ہونگے

خیالِ وطن

یہ ہوائے خشک پرور یہ بہار آئی ہوئی ۔۔۔ پھر اِیہ عالم طبیعت غم سے گھبرائی ہوئی

اشکباری کی طرف مائل ہوا جاتا ہے دل ۔۔۔ درد سا اُٹھتا ہے سینہ میں بھرا آتا ہے دل

غم کی تاریکی میں ہے تنویرِ مہتابِ وطن ۔۔۔ دیکھتا ہوں عین بیداری میں اک خوابِ وطن

گھلتی جاتی ہے فضاؤں میں سیاہی کیا کروں ۔۔۔ روح پر رقّت سی طاری ہے الٰہی کیا کروں

بے سبب پلکوں پہ سیمیں اشک تھرّاتے ہیں کیوں ۔۔۔ ملگجے سے رنگ پھولوں کے نظر آتے ہیں کیوں

مضمحل رہتے وطن کے آرزو کرتے نہ ہوں ۔۔۔ آکے آبادی میں میری جستجو کرتے نہ ہوں

میرے ہمجولی مری فرقت کا غم سہتے نہ ہوں ۔۔۔ نہر کے رنگیں کنارے بیوفا کہتے نہ ہوں

رات کیے دل میں مرے نغموں کے نقشِ ارتعاش ۔۔۔ کرمکِ شب بن کے رہتے ہوں نہ مصروفِ تلاش

صحن کے پیپل کو آندھی سے زوال آیا نہ ہو ۔۔۔ دوستوں کو میری غربت کا خیال آیا نہ ہو

روز ڈھلتی دوپہر میں سبزۂ شاداب پر ۔۔۔ ذکر کرتے ہوں نہ چرواہے کہیں تالاب پر

بھیگی راتوں میں فشارِ ضبط سے بیتابیاں
بن نہ جاتی ہوں کسی جانِ وفا کی ہچکیاں

حُسن کی پُر کیف نیندوں میں خلل آتا نہ ہو
بیکلی میں کوئی پردے سے نکل آتا نہ ہو،

جستجو کرتا نہ ہو پامال رستوں کا غبار
منتظر رہتا نہ ہو مخدوم صاحبؒ کا مزار[ل]

آندھیاں مجھ غم زدہ کو ڈھونڈنے آئی نہ ہوں
لہلہاتی کھیتیوں پر زردیاں چھائی نہ ہوں

منفعل ہوتا نہ ہو پیمانِ اُلفت کا غرور
روند ڈالا ہو نہ رسوائی نے خلوت کا غرور

ہمنشیں کوئی مری فرقت میں گھبراتا نہ ہو
ذکر مجھ قسمت کے مارے کا کہیں آتا نہ ہو

صبحدم جھونکے ہوا کے سسکیاں بھرتے نہ ہوں
رات کے تاریک سناٹے گلہ کرتے نہ ہوں

خستہ حالی سے نہ ہو گھر کی فضا اندوہگیں
آنسوؤں سے تر نہ رہتی ہو کسی کی آستیں

تھے جو آمادہ مجھے دنیا سے کھونے کے لئے
رات کو تنہا نکلتے ہوں نہ رونے کے لئے

کاش اس قابل کرے مجھکو وہ ربِّ ذوالجلال
کھینچ سکے ایسی مرے خامہ سے تصویرِ خیال!

دیکھنے سے جس کے ہر اہلِ بصیرت دنگ ہو
آنسوؤں کی آب ہو خونِ جگر کا رنگ ہو

ل قصبۂ کاندھلہ سے کچھ فاصلہ پر کسی بزرگ کا مزار ہے جس کو مخدوم صاحبؒ کا مزار بتایا جاتا ہے۔ احسان

جس میں ہو اک عشق کی حسرت اثر روداد بھی
جس سے برسے ضبط کی ماری ہوئی فریاد بھی

داستانِ عشرتِ ماضی بیانِ دردِ حال
سرگذشتِ شامِ غم، افسانۂ صبحِ وصال

شورشیں ہوں صبح کی خاموشیاں ہوں شام کی
بولتی تصویر ہو اک گردشِ ایّام کی

بزمِ عالم میں جو نقش کالحجر ہو کر رہے
مرکزِ تحسین و مقبولِ نظر ہو کر رہے

شاعر

انسان و خداوند کے مابین ہے شاعر
اک جنسِ درخشندہ و پائندہ و بیدار

ملتی ہے ازل سے جسے احساس کی دولت
قدرت جسے کرتی ہے عطا جذبۂ خوددار

جبریل کی پرواز، پیمبر کی رسائی
قرآں کا تقدّس، دلِ فرعون کا انکار

شمعی سے پہلی غزل سُن کر

یہ چشمِ مستی نواز تیری یہ نطق نغمہ فروش تیرا
یہ زلفِ شبگوں کے جھمگھٹوں میں جمالِ محشر بدوش تیرا
ہے تیری ہر تان کے جلو میں سرورِ صہبائے نوجوانی
ہواؤں میں تھرتھرا رہی ہے عجب محبّت بھری کہانی
سُبک ترانوں کے نرم بادل خرد کی دُنیا پہ چھا رہے ہیں
فضا کو دیوانی کر رہے ہیں جہاں میں ساغر لنڈھا رہے ہیں
یہ تیری افسوں نواز تانیں کچھ ایسی دل میں اُتر رہی ہیں
مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ نکہتیں رقص کر رہی ہیں
زمانہ اے کاش مجھکو اتنی سہولتیں مستعار دیتا
تری پرستاریوں میں اپنا شبابِ رنگیں گذار دیتا

ت تلمیح

شاعرِ مزدور کی توفیق

قصیدے، سہرا، مبارکباد اور اسی قسم کی ہنگامی نظمیں جن میں جذبات نہیں ہوتے شاعر کی الفاظ میں کفنائی ہوئی غیرت اور خودداری کی لاش ہوتی ہیں اور میں ہمیشہ ایسی نظمیں کہنے سے قاصر رہا ہوں لیکن کیا کروں ایک دن میرے عزیز دوست توقیر طاہر اپنے برادر زادہ مسعود اختر کو میرے مکان پر لائے اس وقت میرا یہ عالم تھا کہ دو دن سے کیسہ خالی تھا اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ توقیر طاہر رسمی بندشوں اور رواجی اوہام سے بلند ہیں لیکن گمان یہ ہوا کہ میری مجبوری اس بچے کے والد میاں محمد حنیف اور ان کے دیگر اقرباء کی نظر میں توقیر طاہر کیلئے سُبکی کا باعث ہوگی۔ انھیں خیالات اور جذبات کے تحت یہ نظم بے اختیارانہ طور پر ڈھل گئی ہے اگرچہ عنوان کے لحاظ سے یہ بھی مندرجہ بالا اصناف میں داخل ہے لیکن اس وقت میرے پاس دعا کے سوا اور تھا بھی کیا؟

اے قبیلہ کی تمنّا اے اقارب کی مُراد
اے برادر زادۂ توقیرِ طاہر زندہ باد

دادی امّاں کو مبارک ہو دُعاؤں کا صِلہ
دیدیا قدرت نے اُس کی التجاؤں کا صِلہ

کیسا پیارا نام ہے "مسعود اختر" واہ وا
دے تجھے اللہ دامانِ عنایت میں پناہ

تجھکو میرے پاس سے تیرا چچا لایا تو ہے
میری غیرتمند ناداری کو شرمایا تو ہے

میں مگر اس کی طرف سے سوئے ظن رکھتا نہیں
یہ رواج و رسم کا دیوانہ پن رکھتا نہیں

ہے یہ اک آزادہ رَو بھی واقفِ دستور بھی
اور پھر فطرت شناس شاعرِ مزدور بھی

میرے پاس اس کی عقیدت کا صلہ کچھ بھی نہیں ۔۔۔ میری دولت اب بجز ذاتِ خدا کچھ بھی نہیں

گر خدا سنتا ہے اک پامالِ غم کی التجا ۔۔۔ لے اُٹھاتا ہوں میں تیرے واسطے دستِ دُعا

راہِ باطل پر تری عمرِ رواں آنے نہ پائے ۔۔۔ تیرے گلزارِ مقاصد میں خزاں آنے نہ پائے

سرسرائے تیری شریانوں میں جب خونِ شباب ۔۔۔ کارزاروں میں نہ ہو تیری شجاعت کا جواب

تیری کاوش ہو مفادِ علم و فن کے واسطے ۔۔۔ باعثِ نازش ہو تو اہلِ وطن کے واسطے

انفرادیت کے آئینے میں آنے دے نہ بال ۔۔۔ اک حکیمانہ بصیرت، اک ادیبانہ کمال

تجھ کو بخشے غیرتِ فکر و نظر پروردگار ۔۔۔ تو زبانِ خار سے سُننے لگے رازِ بہار

سورماؤں میں ہوں تیرے تذکرے شام و سحر ۔۔۔ نام تیرا ثبت ہو پیشانیٔ تاریخ پر

دل ہو تیرا سرد و گرمِ دہر کا مقیاس بھی ۔۔۔ اور ترے حصّے میں آئے دولتِ احساس بھی

تجھ کو ہر انسان کے بشرے میں آجائیں نظر ۔۔۔ شمعِ سیرت کی ضیائیں، ارتقا کے بال و پر

بھانپ لے رفتارِ لشکر سے مآلِ کارزار ۔۔۔ محنتِ مزدور میں دیکھے شکوہِ شہریار

بے نیازی تیری فطرت کو سرورِ ناز دے ۔۔۔ وقت کے پردے سے روحِ انقلاب آواز دے

قطرہ قطرہ قسمتِ گوہر کا افسانہ کہے
شامِ میخانہ حدیثِ صبحِ میخانہ کہے

تجھ پہ کھل جائیں رموزِ نور و ظلمت اس قدر
برقِ خرمن آئے خونِ گرمِ دہقاں میں نظر

زرد رو پتوں میں رودادِ چمن کو پڑھ سکے
بُت کے چہرے سے ضمیرِ برہمن کو پڑھ سکے

ابر کے سایہ سے بازاروں کا اندازہ کرے
خاک سے بنجر کی گلزاروں کا اندازہ کرے

حال میں تصویرِ مستقبل نظر آنے لگے
ذرّہ ذرّہ اک دھڑکتا دل نظر آنے لگے

تیری فطرت کا کوئی پہلو سفیہانہ نہ ہو
مفلس آزاری نہ ہو خوئے غلامانہ نہ ہو

ڈاکٹر اقبالؒ کی کوٹھی

برسات کی اک شام سے زرکار تھا عالم
تھیٹر کے قریں خلدِ بریں کا تھا نظارا

بھیگے ہوئے پیڑوں کی پھننگیں تھیں گلابی
لیکن کوئی چمکا نہ تھا گردوں پہ ستارا

اک سمت جو اٹھیں مری مخمور نگاہیں
چمکا مرے دل میں غمِ پنہاں کا شرارا

کوٹھی کے منڈیروں پہ اُداسی نظر آئی
اللہ رے غمناک و غم انگیز نظارا

سنسان سی دہلیز تھی چپ چاپ سی کمرے
جیسے کبھی اوّل سے سجایا نہ سنوارا

دالان کے زخموں میں تھا برسات کا پانی
اینٹوں کا پلستر کے شگافوں سے نظارا

یہ دیکھ کے اک درد سا اُٹھا مرے دل میں
اشکوں کو نہ آنکھوں میں رہا ضبط کا یارا

تھی سامنے بیدردئ احباب کی تصویر
اشکوں سے ہوا تر مرے دامن کا کنارا

حیراں تھا کہ ہوتا ہے ضیا بار یہاں سے
تہذیب کے گردوں کا درخشندہ ستارا

ہے جس کی نظر شعلۂ مستور کی شاہد | ہر موجِ نفس جلوۂ سینا کا شرارا
حل کرتا ہے راتوں کو ستاروں کے معمّے | ہے عرشِ بریں جس کے تخیّل کا کنارا
ہر مصرعِ موزوں میں چھلکتی ہے گلابی | ہر شعر ہے اک کوثر و تسنیم کا دھارا
ہر لفظ ہے مستقبلِ زرّیں کا پیامی | ہر بات میں بیداریٔ مُسلم کا اشارا
اللہ کی قدرت کا تماشہ تھا نظر میں | اقبالؔ کا اور ایسے مکاں میں ہو گذارا

سُنتا ہوں کہ اب ہو گئی کوٹھی کی مرمّت
احسانؔ کبھی دیکھنے جاؤں گا دوبارا،

ایک حقیقت

محبّت زندگی ہے کیف ہے راحت ہے نشّہ ہے | مگر ایمان کی یہ ہے خراب ایمان کرتی ہے
جنونِ شوق اظہارِ محبّت جس کو سمجھا ہے | غلامی کا تری روحِ حزیں اعلان کرتی ہے

اعترافِ نظیرؔ (اکبر آبادی)

اے نظیرِ بے نظیر و شاعرِ فطرت نگار　　بے خزاں ہے تیرے گلزارِ تخیّل کی بہار

فرشِ انجم ہے تری فکرِ رسا کی راہ میں　　دیر اور کعبہ برابر ہیں تری درگاہ میں

فرقِ این و آں روا رکھتا نہیں تیرا شعار　　جیسے عالم کی حقیقت کا ہے تو ہی رازدار

زرد رُو ذرّات سے ذوقِ نظر لیتا ہے تُو　　گلشنوں سے مرہمِ داغِ جگر لیتا ہے تُو

مدحِ فطرت گرچہ میرا مستقل مضمون ہے　　میرے فکرِ شعر کی طفلی تری ممنون ہے

کارواں تیرا اندھیرے کی طرف چلتا نہیں　　جذبۂ نفرت تری تخئیل میں ڈھلتا نہیں

کرشن کی بنسی کی تانوں پر بھی جھوم اُٹھتا ہے تُو　　اور موذّن کی اذانوں پر بھی جھوم اُٹھتا ہے تُو

سوئے طوفاں تیرا رنگیں بادباں اُٹھتا نہیں　　تیرے سینے سے تعصّب کا دھواں اُٹھتا نہیں

انجمن میں تیری شیخ و برہمن سب ایک ہیں　　خار و گل سب ایک ہیں دشت و چمن سب ایک ہیں

نبض میں کانٹوں کی دوڑاتا ہی تو خونِ گلاب　　تیرے آگے خود اُلٹ جاتی ہی فطرت کی نقاب

فی الحقیقت تو ہے نبّاضِ جہانِ رنگ و بُو
کاسۂ خورشید و انجم ہیں ترے جام و سبُو

زندگانی زمزمے گاتی ہے تیرے ساز پر
ربطِ زہرا کا دھوکا ہے تری آواز پر

خود ہے تو اپنی کتابِ دل کے ہر اک باب میں
ہیں مقدس مستیاں تیری شرابِ ناب میں

تیری فطرت شاعرانہ قحبگی سے دُور ہے
تیرا دل شمعِ خودی کے نور سے معمُور ہے

تو نے درباروں میں فرعونی کا گُن گایا نہیں
تیری غیرت نے بھیک کر ہاتھ پھیلایا نہیں

دے سکے دھوکا نہ تجھکو سکہ ہائے سیم و زر
جانبِ رفعت رہے مائل ترے قلب و نظر

گم رہی ظلمت تری شمعِ عمل کے سامنے
سر نہ تیرا جھک سکا اہلِ دوَل کے سامنے

زر کا جادو تیرے دل پہ بے اثر ثابت ہوا
جب تجھے پرکھا تو مردِ باخبر ثابت ہُوا

ہے حریفِ دورِ گردوں دورِ پیمانہ ترا
مدّتوں تک وقت دوہرائے گا افسانہ ترا

چاند بی بیؒ

تو ہے تصویرِ وفا اے پیکرِ عزّ و وقار
انتخابِ روزگار

مالکِ سیف و قلم دلدادۂ نقش و نگار
شہریارِ نامدار

تیرے گیتوں سے دکن کی سرزمیں معمور ہے
بیخود و مخمور ہے

تجھ سے قائم طبقۂ نسواں کا عزّ و اقتدار
تو ہے دُرِّ شاہوار

آج تک احمد نگر کا ذرّہ ذرّہ ہے گواہ
گرچہ ہے بالکل تباہ

کانپتی ہے نام سے تیرے زمینِ کارزار
بلکہ برقِ بے قرار

کارناموں سے ترے تاریخ کا دل شاد ہے
شاد ہے آباد ہے

تیری شوکت تیرے زرّیں تذکرے سے آشکار
اُف رے عزمِ استوار

بیلچہ اور تیر کر دستِ نازنیں پھیلے پھر
دل میں الفت کے شرر

کس طرح ہوتی نہ تو پھر شادمانِ کارزار
سر بلند و کامگار

فوج پر مغرور تھا اپنی مُراد تند خُو
بندۂ جام و سُبو

تیری ہمّت کی حمایت پر رہا پروردگار
حاکمِ رحمت شعار

تیرے افسانے ہیں قلبِ زندگی میں موجزن
تجھ پہ نازاں صف شکن

تجھکو کہنا چاہیے جانِ وطن اے جاں نثار
بانوئے سلطاں شکار

ف

چاند بی بی احمد نگر کی ملکہ تھی اس کی بہادری اور اسلامی روح نے اس کا نام ہمیشہ کیلئے زندہ کردیا اس نے شہزادہ مراد (پسر شہنشاہ اکبر) کو شکست فاش دی اور لڑائی میں فصیل ٹوٹ جانے پر بیلچہ لیکر مزدوروں کے ساتھ خود کام کیا جس سے سپاہیوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور صبح ہونے سے پہلے فصیل تیار ہوگئی۔ احسان دانش

نقشِ نو

غزلیات

سینے کے داغِ دل کو درخشاں نہ کر سکے
لاکھوں چراغ گھر میں چراغاں نہ کر سکے

رنگِ پریدہ، حالِ شکستہ، تنِ نزار
ان آئینوں سے ہم انھیں حیراں نہ کر سکے

وہ نغمہ خام ہے وہ مغنّی ہے ناتمام
جو سوزِ دل کو سازِ رگِ جاں نہ کر سکے

خودداریوں کو ہم نے نثار ان پہ کر دیا
وہ ہم پہ خودسری کو بھی قرباں نہ کر سکے

گھر سے میں مفلسی کے چراغِ وفا ہے گُم
ہم خدوخالِ شوق نمایاں نہ کر سکے

بخشی ہے جس نے ہم کو پریشانیٔ دوام
ہم اس کو ایک دن بھی پریشاں نہ کر سکے

اس بدنصیب کو غمِ دوراں کہاں نصیب
جو چارہ سازیٔ غمِ دوراں نہ کر سکے

اپنی وفا پہ آپ پشیماں ہیں ہم مگر
ان کی جفا پہ ان کو پشیماں نہ کر سکے

سازِ طرب، نشاطِ بہاراں، شبابِ گُل
میرے سکوتِ غم کو غزلخواں نہ کر سکے

جوشِ جنوں میں دامنِ ہستی ہے تار تار
حسرت نہیں کہ چاک گریباں نہ کر سکے

تیری نظر کے فیض سے اُن مشکلوں میں ہوں
جن مشکلوں کو تو بھی اب آساں نہ کر سکے

احسان اتنا تلخ جوابِ وفا ملا
ہم اس کے بعد پھر کوئی ارماں نہ کر سکے

میں ہوں کہ مدتوں سے ہوں محرومِ التفات
دل ہے کہ آج تک بھی تری انجمن میں ہے

دنیا میں آدمی کو میسر ہو کیا نشاط
یہ کارواں ہی منزلِ رنج و محن میں ہے

ہر غم کی نوعیت ہے مسرت کے دور پر
شامِ قفس تجلّیِ صبحِ چمن میں ہے

مجھکو نہ دے فریب کہ اب جانتا ہوں میں
میرے لئے جگہ جو تری انجمن میں ہے

دنیا نے جو دیا مجھے مولا سے جو ملا
سرمایہ وہ تمام کتابِ سخن میں ہے

لاہور میں بھی گرچہ رفیقوں کا ہے ہجوم
کچھ اور بات میرے رفیقِ وطن میں ہے

احسان گھر نہیں تو نہ ہو یہ بھی کم نہیں
اینٹوں کا ایک ڈھیر ابھی تک وطن میں ہے

تم دوائے دل تھے دردِ لا دوا کیوں ہو گئے؟ آشنا ہو کر وفا نا آشنا کیوں ہو گئے؟

گھٹتے گھٹتے مہربانی بے رُخی کیوں ہو گئی ہوتے ہوتے دشمنِ مہر و وفا کیوں ہو گئے؟

اللہ اللہ یہ تمھارے عہد و پیماں کا مآل زمزمے کمبخت پیغامِ قضا کیوں ہو گئے؟

تم مجھے پہروں کیا کرتے تھے تلقینِ وفا آج خود غارت گرِ جنسِ وفا کیوں ہو گئے؟

فکرِ مستقبل، غمِ احباب، جورِ روزگار اس پریشانی میں تم مجھ سے جدا کیوں ہو گئے؟

کاش خودداری اجازت دے کہ اتنا پوچھ لوں تم وفا کے مدعی تھے، بے وفا کیوں ہو گئے؟

تم کو غیروں سے وفا منظور تھی کرتے، مگر میرے اطمینانِ ہستی سے خفا کیوں ہو گئے؟

اشک بھر آئے ہیں کیوں احسانؔ ان کو دیکھ کر
یہ زباں کے فرض آنکھوں سے ادا کیوں ہو گئے؟

میں گڑ جاتا ہوں جب محفل میں اُڑتی ہے ہنسی اپنی تمھارا کیا تمھیں مد نظر ہے دل لگی اپنی

سنبھالا لیکے اے شمعِ محبت یہ تو بتلا دے کہاں ہوں میں کہاں لے آئی ہے وارفتگی اپنی

کسی دن پردۂ کون و مکاں کو فاش کر دیگا
حقیقت ہی نہیں سمجھا ابھی تک آدمی اپنی

مری آنکھوں کے آگے مسکراتے کارواں گزرے
قدم پکڑے مگر بیٹھی رہی واماندگی اپنی

نہ جینا تیرا جینا ہے نہ مرنا تیرا مرنا ہے
حقیقت سوچ کچھ اے مبتلائے زندگی اپنی

مری غیرت تری بے التفاتی کا کرشمہ ہے
کبھی فرصت ملے تو سوچنا خود منصفی اپنی

بہت دشوار ہے احسان آن سے عرضِ غم کرنا
جھکی جاتی ہے قدموں پر نگاہِ ملتجی اپنی

جو تیرے وقتِ مروّت کا انتظار کرے
وہ کیوں نہ شومئ قسمت پہ اعتبار کرے

دھڑک رہا ہے ستارہ سحر کا دل کی طرح
کہاں تک اب کوئی بدبخت انتظار کرے

ترے بغیر یہ ہے جس کی زندگی بے کیف
وہ کیا کرے نہ اگر تیرا اعتبار کرے

کمالِ عشق نہیں بیقرار خود ہونا
مزا تو جب ہے زمانے کو بیقرار کرے

تری زبان پہ دل بولتا نہیں ورنہ
مجھے سکون کی تلقیں بیقرار کرے؟

بحمداللہ بہیں گلستاں نے آج تک ایسا
بہار کو جو مرے واسطے بہار کرے

جو سنگدل ہے اُسے حق نہیں ستانے کا
جو اشک پونچھنا جانے وہ اشکبار کرے

جو مجھ پہ چشمِ عنایت ہے، وہ کسی پہ نہیں
مجھے یقین ہے! مگر دل بھی اعتبار کرے

جو مر رہا ہو ترے لطف کی تمنا میں
وہ جینا چاہے تو کیا طرز اختیار کرے

سرشتِ حسن نہ بدلی ہے اور نہ بدلے گی
جو موت چاہے وہ جینے پہ اعتبار کرے

وہی ہو تم وہی اربابِ خش خورو خوش پوش
کہاں تک اب کوئی یہ جبر اختیار کرے

ق

مجھے وفاؤں پہ مجبور دیکھنے والے
خدا تجھے بھی کبھی اس جبر سے دوچار کرے

نہاں ہے دل کی تباہی میں وہ بھی اک پہلو
نفس نفس کو جو ہستی کی یادگار کرے

نہ پوچھ کتنی غم انجامیوں کا حال ہے
وہ جورِ خاص جو مخصوص غمگسار کرے

مری نظر میں ہے وہ ننگِ روزگار احسان
جو شخص شکوۂ اندوہِ روزگار کرے

مٹتا ہی نہیں اُف وہ سماں قلب و جگر سے
دیکھا تھا اُنھیں اک غلط انداز نظر سے

ساقی جو پلانا ہے تو اس میں سے پلا دے
یہ بادہ چھلکتا ہے جو مینائے نظر سے

پڑھتے ہیں نگاہوں کو ادیبانِ محبّت
افسانے ٹپکتے ہیں مرے دیدۂ تر سے

پَو پھٹنے کو ہے رات کا دَم ٹوٹ رہا ہے
لو اب تو نکل آؤ حجاباتِ نظر سے

کس درجہ ہوں مجبور کہ خود میری حقیقت
باہر ہے مرے دائرۂ حدِّ نظر سے

ہشیار کہ جس دل میں ہے ہنگامۂ عشرت
گذرے گا ابھی غم بھی اسی راہگذر سے

رہ رہ کے فضاؤں میں ہے اک برق سی لرزاں
ملنے کو ہے شاید وہ نظر میری نظر سے

پَو پھٹتے ہی جنگل کو نکل جاتا ہوں ہر روز
پی آتا ہوں میخانۂ تنویرِ سحر سے

ہیں کعبہ کے لائق نہ صنمخانے کے قابل
کیوں جاؤں کہاں جاؤں تری راہگذر سے

میں ساغرِ کمظرف کو مُنہ کیسے لگا لوں
پیتا ہوں نچوڑی ہوئی دامانِ نظر سے

احباب کو احسان خبر کیا کہ میں کیا ہوں
دیکھے مجھے کوئی مرے دشمن کی نظر سے

یہ کیا عالم ہوا سر در گریبانی نہیں جاتی جنوں سے آج فصلِ گُل بھی پہچانی نہیں جاتی

تحیّر کو دعا دوں، یا کروں ادراک کا ماتم؟ نگاہِ شوق کی آئینہ سامانی نہیں جاتی

نہ تھا فصلِ گُل سے گر ذوقِ جنوں تو کس لیے آخر؟ بہاریں جا چکی ہیں چاک دامانی نہیں جاتی

ہو تم اک پھول، وہ جس کا مقدّر مسکرانا ہے میں وہ اک آئینہ ہوں جس کی حیرانی نہیں جاتی

رہا آٹھوں پہر میں جن کے ایوانِ تصوّر میں انھیں سے آج میری شکل پہچانی نہیں جاتی

قسم کھا کھا کے پیمانِ وفا کرتے ہیں وہ لیکن دلِ بدبخت کی اندیشہ سامانی نہیں جاتی

اُڑے پھرتے ہیں خاکِ عشق کے ذرّے ہوا دینا غبارِ راہ بن کر بھی پریشانی نہیں جاتی

کہاں مدّت آگئی آخر زمانے کے تغیّر کو گئی برسات لیکن اشک افشانی نہیں جاتی

جو آتا ہے وہی اک باب پڑھتا ہے مقدّر کا کتابِ دہر کی اوراق گردانی نہیں جاتی

بہت مشکل ہے قندیلِ تصوّر کا بجھا دینا کسی کی آرزو دل سے بآسانی نہیں جاتی

ازل سے آج تک کاوش نگاہ و دل کی جاری ہے مگر تقدیر کی تحریر پہچانی نہیں جاتی

نکل آتے ہیں آنسو تھام کر دامن تبسّم کا مسرّت میں بھی میری اشک افشانی نہیں جاتی

ازل سے بدگمانی حُسن کی فطرت میں داخل ہے
کسی صورت محبت معتبر مانی نہیں جاتی

حقیقت سرحدِ ادراک سے باہر کی کیا سمجھوں
عموماً دُور کی آواز پہچانی نہیں جاتی

امیدوں کو مٹے دل کو بجھے مدت ہوئی لیکن
یہ سنّاٹا ہیں یہ غم کی شعلہ سامانی نہیں جاتی

محبت بدگماں ہے اس قدر اپنے مقدر سے
وہ پہلو میں ہیں اور دل کی پریشانی نہیں جاتی

جوانی زندگی کی فصلِ گُل ہے قدر کر اس کی
جب آ جاتی ہے اس گلشن میں ویرانی نہیں جاتی

نشیبِ مرگ میں گرتے ہیں دھارے زندگانی کے
مگر تحقیق کے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

میں تنہائی میں اپنی داستانِ غم تو کہہ بیٹھا
پشیماں ہوں کہ اب اُن کی پشیمانی نہیں جاتی

عوام احساں اگر مجھکو نہیں سمجھے تو کیا شکوہ
حقیقت دیدۂ ظاہر سے پہچانی نہیں جاتی

سناؤں کیا اُٹھی کیونکر متاعِ بیخودی میری
بہت اُلجھی ہوئی ہے داستانِ زندگی میری

جنوں سر در گریباں ہے خرد حیرت بداماں ہے
یہ لے آئی ہے کس کے آستاں پر خودی میری

تلاشِ مدعا جاتی رہی فرقِ مراتب میں		فریبِ ارتقاء کھائے ہوئے ہے آگہی میری

بہار آتے ہی گلشن میں جنوں کی کھل گئیں باچھیں		نکل آئی حریمِ عقل سے دیوانگی میری

کبھی میں ایک شمعِ انجمن افروزِ الفت تھا		مگر اب پردۂ فانوس تک ہے روشنی میری

جہاں اب ہوں وہاں ہر سانس اک آزاد سجدہ ہے		کبھی محدود تھی دیر و حرم تک بندگی میری

مرے رستے میں کوئی آسماں آنے نہ پائے گا		ہوئی ہے مائلِ پرواز بے بال و پری میری

میسر اب نہ ہونگے آستانِ حسن کو سجدے		خودی کو سونپ کر رخصت ہوئی ہے بیخودی میری

مرے دیواں کے اوراقِ پریشاں دیکھنے والو!		انہیں اوراق میں بکھری پڑی ہے زندگی میری

چراغِ یاس پر جلتے ہیں امیدوں کے پروانے		خدا رکھے شبابوں پر ہے بزمِ بیکسی میری

"نوائے کارگر"[۱] سے ہیں چراغاں "جادۂ نو"[۲] پر
اٹھی ہے "آتشِ خاموش"[۳] لیکر شاعری میری

آغازِ شوق یاد دلایا بہار نے		برپا کیا ہے حشر دلِ بیقرار نے

---

۱ و ۲ و ۳ و ۴ یہ میری نظموں اور غزلوں کے مجموعے ہیں۔ احسان دانش

ان کا غرور اُن کو بلندی پہ لے گیا مُجھکو سبک کیا دلِ زُود اعتبار نے

قصرِ امید ان کے تغافل نے ڈھا دیا تعمیر جو کیا تھا مرے اعتبار نے

یہ صبحِ گلستاں یہ ضیا پاشِ آفتاب بھیجا ہو جیسے کوئی پیمبر بہار نے

ہر انقلاب ہے مجھے درسِ حیاتِ نو بخشی ہے وہ نظر مجھے پروردگار نے

دیکھا گیا نہ غنچہ و گل کا شکستِ ضبط آخر چمن میں آگ لگا دی بہار نے

دل خوگرِ خزاں ہے نظر ناقدِ بہار انساں بنا دیا ستمِ روزگار نے

اپنی نظر بساطِ خزاں سے نہ اُٹھ سکی پردے اُٹھائے لاکھ عروسِ بہار نے

عشق و وفا کا حسن کی دُنیا سے اعتبار کھویا ہے اک حقیقتِ ناخوشگوار نے

لالے کے دل میں ہے مرے سینے کا داغِ عشق میرے چمن سے پھول چنے ہیں بہار نے

ایسی گھڑی کچھ آئی خزاں جم کے رہ گئی ایسی گئی پلٹ کے نہ دیکھا بہار نے

جب تم نے مجھکو اپنی نظر سے گرا دیا پھر آرہے ہو کیوں درِ دل پر پکار نے

احسان دشمنوں پہ بھی آنے لگا ہے پیار

وہ غم دیا ہے مجھکو مرے غمگسار نے

جانے وہ دل ہے کہ داغِ دل ہے دیوانوں کے پاس — شمع سی اک جلتی رہتی ہے گریبانوں کے پاس

ہاں یہ ادراک و تعقّل ہیں جو فرزانوں کے پاس — یہ بکھیڑا بھی کبھی تھا تیرے دیوانوں کے پاس

ظلم کا گردوں شقاوت کی زمیں خونیں چراغ — اور ہی عالم فضاؤں کا ہے ایوانوں کے پاس

اہلِ دل کی تربتیں پیغمبروں کے مقبرے — ہے بڑا گنجِ گرانمایہ بیابانوں کے پاس

جیسے محبوبوں کی لانبی اور گھنی پلکوں کے سائے — عکس پیمانوں کا یوں پڑتا ہے پیمانوں کے پاس

یہ سماں بھی گاہے گاہے دیکھتے ہیں اہلِ دل — مسکرا جاتی ہے برقِ طور غمخانوں کے پاس

ٹوٹ جائے آسرا یہ بھی تو مر جائیں اسیر
خندہ زن آزادیاں رہتی ہیں زندانوں کے پاس

میں اس منزل میں ہوں یہ دل کی حالت ہوتی جاتی ہے
کہ ہر صورت سزاوارِ محبت ہوتی جاتی ہے
سمجھ رکھا ہے جس نے تم کو حاصل زندگانی کا!
خدا جانے تمھیں کیوں اس سے نفرت ہوتی جاتی ہے

اگر ہے تیرے دل میں میری الفت کا وہی عالم

تو پھر آوارہ کیوں میری محبّت ہوتی جاتی ہے

کہیں ذرّے کہیں تارے کہیں غنچے کہیں جگنو!

مجھے اس آئینہ خانہ میں حیرت ہوتی جاتی ہے

وہ آغازِ محبّت کے بھی کیا دن تھے ارے توبہ،

کہ اب ہر شام اک شامِ مصیبت ہوتی جاتی ہے

تمھارا کیا تمھارے پوجنے والوں میں دُنیا ہے

ہمارا کیا ہمیں دنیا سے نفرت ہوتی جاتی ہے

مجھے مجبورِ اُلفت جان کر تم چاہتے کیا ہو

میں جتنا دبتا جاتا ہوں شکایت ہوتی جاتی ہے

مجھکو دنیا کی ضرورت ہے نہ عقبیٰ چاہیئے تیرا جلوہ چاہتا ہوں تیرا جلوہ چاہیئے

ہے سکوں کی آرزو اک خامئ ذوقِ طلب بن پڑے جب تک محبت میں تڑپنا چاہیئے

لگ گئی مُہرِ سکوتِ مرگ ہونٹوں پر مرے
ضبط بھی آخر بقدارِ تمنا چاہیئے

رات بھر روتی ہے دن بھر مسکرا کر بزمِ گل
عشرتِ امروز میں اندوہِ فردا چاہیئے

خاک میں ملنے سے ملتا ہے عروجِ بے زوال
زندگی چاہے تو مرنے کی تمنّا چاہیئے

ہو چکیں ناکام تدبیریں وہ بے مہر ہو چکے
اب تو بس تقدیر کے لکھے کو دیکھا چاہیئے

نقش ہوں لیکن مصوّر سے گلہ رکھتا نہیں
"یہ بجا ہے" چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے"

ان کی جانب سے نوازش میں کمی ہونے لگی
دوستی کا اب ہو کیا انجام دیکھا چاہیئے

شادمانی کا سراب عارضی کچھ بھی نہیں
رنج بے راحت جو مل جائے تو پھر کیا چاہیئے

راحت ہے یا الم یہ کہاں امتیاز ہے
تیرے نیاز مند کا شیوہ نیاز ہے

آتا ہے مشکلوں سے محبت کو یہ یقیں
جو درد دے رہا ہے وہی چارہ ساز ہے

میں اور قصیدہ خوانیٔ اہلِ دُوَل غلط
مجھکو خدا پہ زعم ہے بازو پہ ناز ہے

اے ابرِ برشگال برسنے لگے شراب
ہر شاخِ گُل کا دستِ تمنّا دراز ہے

تجھکو مری وفا کا یقیں ہو نہ ہو مگر، تیری جفا پہ میری محبّت کو ناز ہے

کیونکر سنایئے انھیں رودادِ زندگی شب مختصر ہے اور فسانہ دراز ہے

انجام آہ یہ مرے ذوقِ نیاز کا سجدوں سے بدگمان جبینِ نیاز ہے

احسان اپنا کوئی بُرے وقت میں نہیں

احباب بیوفا ہیں خدا بے نیاز ہے

اہلِ ہوس میں جذبۂ عصمت نگر کہاں شبر نگیوں میں جلوۂ نورِ سحر کہاں

مدہوش ہیں نشے میں جوانی کے وہ انھیں اپنی خبر نہیں تو ہماری خبر کہاں

آخر مرا دیار بھی ہے کوئی یا نہیں پہلے کہاں تھا اب نکل آیا ادھر کہاں

مدّت ہوئی کہ خاک سے ہوتا نہیں بلند کاٹے گئے ہیں جانے مرے بال و پر کہاں

کہتی ہے دل کا حال تبسّم کی دھوپ چھاؤں چھپتا ہے یہ چھپائے سے سوزِ جگر کہاں

چاہوں جسے اُسی کو بھلا بیوفا کہوں یہ سفلگی کہاں مرا ذوقِ نظر کہاں

کب سے رواں ہوا ہے مرا کاروانِ زیست اللہ جانے ختم یہ ہوگا سفر کہاں

مانا کہ عشق عشق نہیں ہے مگر حضور پہلے کی طرح حسن بھی اب معتبر کہاں
ان کو پسند کر کے دو عالم ہیں ناپسند ایسا بلند سب کا مذاقِ نظر کہاں

احساںؔ اب سکونتِ لاہور ترک کر
اس کور ذوق شہر میں اہلِ نظر کہاں

ہے روحِ عصر مری شاعری کے سینے میں مری کتاب میں روداد ہے زمانے کی
چمن میں لالہ و گل پر بہار آئی ہے کہ آگ پھیل گئی میرے آشیانے کی
وہ جلوے تھے مرے آغوشِ عشق تک محدود مگر یہ بات ہے گزرے ہوئے زمانے کی
زبانِ عشق بدلتی نہیں شباب کے ساتھ ہوا بدلتی ہے بدلا کرے زمانے کی
نہیں ہے مہد و لحد تک ہی فہرسِ ہستی نہ جانے سرخیاں کتنی ہیں اس فسانے کی
بہار آئی کوئی ہمنوا ہے محوِ فغاں قفس تک آتی ہے آواز آشیانے کی

مٹا سکے گا کب احساںؔ کو کوئی دشمن
جسے مٹا نہ سکیں گردشیں زمانے کی

کہیں ضبطِ الم افسانۂ محفل نہ بن جائے
خموشی بڑھتے بڑھتے داستانِ دل نہ بن جائے

بچالے چشم و دل کو امتیازِ قرب و دوری سے
مرادِ مہ جو ہر منزل تری منزل نہ بن جائے

نہ ہونے سے ترے ہر گھر میں ویرانی ہی ویرانی
یہ ویرانہ کہیں حسرت سرائے دل نہ بن جائے

خموشی کو حجابِ آرزو گردانے والے
نگاہِ یاس بڑھکر ترجمانِ دل نہ بن جائے

تصور تک نہ رہ جائے فروغِ آرزومندی
یہ گمراہی جنونِ شوق کا حاصل نہ بن جائے

خوشی میں عظمتِ رنج والم کو بھولنے والے
سکوں کروٹ بدل کر اضطرابِ دل نہ بن جائے

وہ مجھسے خوش ہیں لیکن دل سے یہ خطرہ نہیں جاتا
جو مشکل پیشتر تھی پھر وہی مشکل نہ بن جائے

لہو رونے کو رو اے نامرادِ آرزو لیکن
کہیں یہ سرخ آنسو تھر تھرا کر دل نہ بن جائے

سکونِ مستقل اک موت ہے ہستی ہی بیتابی
اگر طوفان جم جائے تو کیا ساحل نہ بن جائے

یہ کچھ ہونا ہی تو انساں کو کچھ ہونے نہیں دیتا
نہ جو دنیا کے قابل ہو ترے قابل نہ بن جائے

میں اب احسانؔ ہر انسان سے ڈر ڈر کے ملتا ہوں
کہ احساسِ وفا اندوہِ مستقبل نہ بن جائے

ہوا چل پڑی غم کی دل کے چمن میں　　بس اب گُل کھلیں گے زمینِ سخن میں

یہ مٹّی کے تودے یہ شہرِ خموشاں　　مسافر پڑے سو رہے ہیں وطن میں

جہاں تم ہو اور وہ کہ، تم جن کو چاہو　　مری کیا حقیقت ہے اُس انجمن میں

نگاہیں پریشاں ہیں دل مضطرب ہے　　کوئی میرِ محفل نہیں انجمن میں

نہ کچھ موت ہے اور نہ کچھ زندگی ہے　　ہے پروازِ بلبل چمن سے چمن میں

یہ پُرنور چہرہ شہیدِ وطن کا　　ستارا سا نکلا ہوا ہے کفن میں

بتا تو ہی بیتابِ اُلفت کہاں ہیں　　تری انجمن یا مری انجمن میں

جدا ہو کے تجھ سے یہ ہے دل کا عالم　　کرا ہے کوئی نیم شب جیسے بن میں

ضیاؔ، ورفیقؔ و شفاؔ اور شفقتؔ　　مرے سیکڑوں قدرداں ہیں وطن میں

نہیں میں ہی ترتیبِ گلشن کا شاکی　　مرے ہمنوا اور بھی ہیں چمن میں

وہ مشرق کے پردے سے خورشید نکلا　　ہنسے جس طرح سورما کوئی رَن میں

مِری شاعری ہے مری آپ بیتی،　　میں زندہ ہوں اپنی کتابِ سخن میں

نظر بہتے اشکوں سے یوں چھن رہی ہے برستا ہو جس طرح کہرا چمن میں

ابھی خونِ دل اور پینا پڑے گا ابھی دیر ہے انقلابِ وطن میں

سزا کس گنہ کی ہے انساں کی ہستی پریشان ہے روح جب تک ہے تن میں

اگرچہ میں احسان ننگِ وطن تھا

ابھی تک مرے تذکرے ہیں وطن میں

تو جو آشفتہ دلی کا مری پُرساں ہو جائے شامِ اندوہ مری صبحِ بہاراں ہو جائے

میری مشکل ہے جسے تقدیرِ محبت کہئے آپ اگر چاہیں کہ آساں ہو تو آساں ہو جائے

اے خدا عشق کی لغزش ہے کہ جلوؤں کا قصور تیرے ہوتے جو کوئی بندۂ انساں ہو جائے

عشق اک کفر ہے جب تک ہے وہ محدودِ مجاز اور اس حد سے گذر جائے تو ایماں ہو جائے

فرق نازک سا ہے مابینِ نشاط و اندوہ آدمی اس کو جو پا جائے تو انساں ہو جائے

وصل کا ذکر ہی کیا اب تو تمنا یہ ہے تیرا ارماں جو ہے وہ بھی مرا ارماں ہو جائے

ہمنشیں لذتِ اندوہِ محبت مت پوچھ ابھی مر جاؤں جو اس درد کا درماں ہو جائے

بول اُٹھی ہے مرے سامنے تصویرِ مجاز
اب حقیقت بھی کوئی شے ہے تو عریاں ہو جائے

حسنِ نظارے کی حد تک تو ہے مہتاب و گلاب
اور اگر دل میں اُتر جائے تو پیکاں ہو جائے

ضبطِ الفتِ غمِ دوراں ستم و جورِ حیات
جس کو یہ بار اُٹھانا ہو وہ انساں ہو جائے

گرچہ زندہ نہیں دل میں کوئی اُمید مگر
اب بھی آجاؤ تو احسان پہ احساں ہو جائے

میرے اشکِ غم کی تابانی بڑھاتے جائیے
مسکراتے جائیے ہاں مسکراتے جائیے

مقصدِ منزل کو بھی کر دیجئے جزوِ فراق
ہر قدم پر حسرتِ جلوہ بڑھاتے جائیے

اُف وہ دیوانی جوانی حائلِ رسم و رواج
ہر نظر سے ایک افسانہ بناتے جائیے

آپ نے دیکھی تو ہیں خیرہ نگاہیں چاک دل
میرا دل میری نظر بھی آزماتے جائیے

کس لئے بچنے کی زحمت ہو نگاہِ مست کو
سامنے جو آئے دیوانہ بناتے جائیے

سُن رہا ہوں ماہ و انجم کو ضیا دیتے ہیں آپ
میری قسمت کا ستارا جگمگاتے جائیے

میں تو مشتِ خاک ہوں اور خاک کی قیمت ہی کیا
جی میں جو آئے وہی صورت بناتے جائیے

ہاں مری آنکھوں سے اوجھل ہو چلی ہے کائنات　　ہاں اسی رفتار سے نزدیک آتے جائیے

طُور پر تو خیر جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا　　اب یہ بجلی میرے خرمن پر گراتے جائیے

آپ اگر تشریف لیجاتے ہیں، لیجائیں، مگر　　میری آنکھوں کے چراغوں کو بُجھاتے جائیے

دل یہ کہتا ہے "مری قیمت ہے آپ آشنا"　　میں کہاں تک حق بجانب ہوں بتاتے جائیے

اے معاذ اللہ مجبورِ وفا کی زندگی　　زخم کھاتے جائیے" اور مُسکراتے جائیے

عمر ہو جائیگی احسان ایک دن یونہی تمام
دوست بنتے جائیے" دشمن بناتے جائیے

نہ ہو جلوؤں کی جانب گامزن اے عشق کے دشمن　　حضورِ حُسن نے لا کر کہاں پھینکا ہے انساں کو

گریباں ہو چکا نذرِ بہاراں" مدتیں گذریں　　خزاں کے واسطے لیکن بچا رکھا ہے داماں کو

خدا جانے ازل سے تا ابد کتنے مناظر ہیں　　ابھی ہے دیکھنا باقی بہت کچھ چشمِ انساں کو

مرے پہلو کو برسوں جگمگا کر بھولنے والے　　تصوّر نے ترے چھیڑا ہے پھر سازِ رگِ جاں کو

عدم سے ماورا ہے ہنگامۂ ہستی سے بالا تر　　محبت اور اک دُنیا میں لے جاتی ہے انساں کو

بازگشت

غزلیات

جھونکا کوئی چلا جو نسیمِ بہار کا — جاتا رہا قرار دلِ بیقرار کا

دھوکے دیئے ہیں چشمِ تماشا کو بے طرح — فصلِ خزاں نے بھیس بدل کر بہار کا

طوفانِ یاس، درد کی لہریں، ہجومِ غم — سرمایہ بس یہی ہے دلِ بیقرار کا

لکھا ہوا ہے دیکھ بعنوانِ انقلاب — پیشانیٔ خزاں پہ فسانہ بہار کا

تعمیر ہو رہا ہے طلسمِ نظر فروز — جادو جگا رہا ہے تبسم بہار کا

اے دل نگار خانۂ عالم ہے چند روز — کیا اعتبار محفلِ بے اعتبار کا

بدلی اُٹھی، نسیم چلی، مسکرائے گُل — اس مفلسی میں ہائے یہ عالم بہار کا

اس بادہ کش کی موت کے قربان جایئے — جس پر کفن ہو دامنِ ابرِ بہار کا

پلکوں پہ میری کھیل رہا ہے جمالِ دوست — اُف یہ وقار گریۂ بے اختیار کا

میری نگاہِ شوق، خزاں آشنا نہیں — ازبر سبق ہے مجھ کو کتابِ بہار کا

مجھکو کہاں شعور کہ اک سانس تک بھی لوں طوطی ہوں حسنِ دوست کے آئینہ زار کا

گلشن میں چھیڑ کر دل مخزوں کی سرگذشت فرمایئے تو رنگ اُڑادوں بہار کا

مستو! تمھاری لغزشِ پیہم کے بھیس میں دیکھو تو ہوش ہو نہ کسی ہوشیار کا

گر دیکھنا ہے حُسنِ گلستاں کو بے نقاب پردہ اُٹھا نظر سے خزاں و بہار کا

احساںؔ خواب اور مری آنکھوں کو ہو نصیب
منظر نگاہ میں ہے شبِ انتظار کا

عکسِ جاناں ہم شبیہِ صورتِ جانانہ ہم آشنا ہیں ہو نہیں سکتے کبھی بیگانہ ہم

تجھکو کیا معلوم گزری کس طرح فرقت کی رات کہہ پھر اک اک ستارے سے ترا افسانہ ہم

ہے ہر اک لوتل میں رقصاں برقِ مضطر کا خمیر کیوں ہو محتاجِ چراغِ مجلسِ میخانہ ہم

ہے دمِ آخر سرھانے لوریاں دیتی ہے موت سنتے سُنتے کاش سو جائیں ترا افسانہ ہم

رحم اے صنّاعِ مہر و ماہ آج آتے ہیں وہ ہائے کس سے مانگنے جائیں چراغِ خانہ ہم

پڑگئی کس مہر سیما کی نگاہِ برق پاش
دیکھتے ہیں دل میں بنیادِ تجلّی خانہ ہم

آگیا ہے پھر خیالِ میکدہ، وقتِ سجود
سامنے پاتے ہیں محرابِ لبِ پیمانہ ہم

سر بسجدہ تیرے ہر ذرّے پہ روزِ حشر تک
ہم رہینگے اے زمینِ کوچۂ جانانہ، ہم

کر یقیں واعظ کہ جوئے آبِ زمزم ہو رواں
پی کے رکھدیں جس جگہ رِستا ہوا پیمانہ ہم

دیکھ اب گرتے ہیں تھرّائے ہوئے ہاتھوں سے جام
چھیڑتے ہیں میگساروں میں ترا افسانہ ہم

اس دلِ ویراں میں اپنی یاد کا عالم نہ پوچھ
شب کو کر دیتے ہیں ٹھنڈا جب چراغِ خانہ ہم

یہ ارادہ ہے پہن کر اک گدایانہ لباس
خلق کو تڑپائیں کہہ کہہ کر ترا افسانہ ہم

کس لئے بیہوش ہوا اے حضرتِ موسیٰ اُٹھو
ہم اُٹھائیں گے نقابِ عارضِ جانانہ، ہم

منزلِ اُلفت میں ہیں احسانؔ دونوں سدِّ راہ
کھائیں کیوں آخر فریبِ کعبہ و بتخانہ ہم

افراطِ غم سے غم کا مداوا کرے کوئی
بالیں پہ کیوں فضول تماشا کرے کوئی

لُطفِ جفانہ لذّتِ عہدِ وفا نصیب کن خوبیوں پہ حسرتِ دُنیا کرے کوئی؟

پردے میں بیقرار ہے دنیائے حُسنِ دوست ہاں اشتیاقِ دید کا دعویٰ کرے کوئی

پردے اُٹھے ہوئے ہیں حریمِ جمال سے وا آج اپنی چشمِ تماشا کرے کوئی

ساقی اِدھر نہ دیکھ کہ ایسا نہ ہو کہیں توبہ کو نذرِ ساغر و مینا کرے کوئی

عمرِ عزیز صرفِ خلش ہو تو ہو، مگر کیوں منتشر ہجومِ تمنّا کرے کوئی

تا چند ضبطِ گریۂ بے اختیارِ شوق تا چند پاسبانیٔ دریا کرے کوئی

مشکل اگر جوابِ تمنائے شوق ہے! دشواریٔ سوال بھی پیدا کرے کوئی

آتی ہیں یاد دامنِ یوسف کی دھجیاں مجھ سے نہ ذکرِ خوابِ زلیخا کرے کوئی

ہر گام پر ہیں لاکھ طلسمِ نظر فروز رسوائیٔ نظر جو گوارا کرے کوئی

ہر ذرّہ ہے مقلّدِ منصورِ عشق میں دار و رسن کا آج تماشا کرے کوئی

احسانؔ اُن کی بات قیامت ہی ڈھا گئی

آئینہ دیکھ کر ہمیں دیکھا کرے کوئی!

جس کا ہر ذرّہ نظر آتا ہے سودائی مجھے
کاش مل جائے وہی محبوب ہرجائی مجھے

کھینچکر کعبے سے اکثر بتکدے میں لے گیا
بُت تراشی ہیں کمالِ نقش آرائی مجھے

ہو گیا مائل بہ خودداری مرا ذوقِ نیاز
حشر تک رونا رہے شوقِ جبیں سائی مجھے

لوحِ قسمت سے مٹا لینے دے تحریرِ فراق
ہمنشیں رہنے دے مصروفِ جبیں سائی مجھے

ہونٹ تھرّانے لگے دل کی رگیں کھنچنے لگیں
اے تغافل کیش تیری یاد پھر آئی مجھے

کھینچ لے اے جلوۂ جاناں مری آنکھوں کا نور
پھر نہ جانے کیا دکھائے شمعِ بینائی مجھے!

سیکڑوں بیتاب محشر اضطرابِ دل میں تھے
جب بہار آنے کو تھی میکش بڑی مشکل میں تھے

کاش تم سنتے کہ تھے شوقِ شہادت کے رموز
آخری فقرے جو فریادِ لبِ بسمل میں تھے

صبح ہوتے ہی مرے دل میں اُتر آئے تمام
نیم شب جو نقرئی جلوے مہِ کامل میں تھے

اُٹھ گئے کہہ کر "انا المحبوب" ہنگامِ نشور
جس قدر ذرّات خاکِ کوچۂ قاتل میں تھے

کس طرح منجدھار میں ڈوبا سفینہ کیا خبر دیدہ و دل اپنے گُم نظارۂ ساحل میں تھے

جلوۂ دیر و حرم نکلا فریبِ جستجو تھی وہی منزل ہماری پہلے جس منزل میں تھے

یاد کر کے جن کو اب احسانؔ بھر آتا ہے دل

وہ مناظر کچھ دنوں پہلے مری محفل میں تھے

کسی کے جلوۂ رخ پر نثار ہو کے چلے چھپے ہزار مگر آشکار ہو کے چلے

ہم ایسے شیفتۂ حُسنِ یار ہو کے چلے قرار چھوڑ چلے بیقرار ہو کے چلے

اُٹھے تو دوشِ محبت پہ ہاتھ تھا اپنا چلے تو خاطرِ دشمن پہ بار ہو کے چلے

کسے یہ میرے مقدر پہ رشک آیا ہے کہاں کو آپ سراپا بہار ہو کے چلے

رہِ حیات میں فطرت کا یہ تقاضا ہے بقدرِ ظرف ہر اک بیقرار ہو کے چلے

نہ جانے آج تلک کتنی منزلیں ہاریں مگر جہاں سے چلے یادگار ہو کے چلے

مرے کلام میں احسانؔ ہے یہی تاثیر

جنھوں نے دل سے سُنا اشکبار ہو کے چلے

جہانِ ضبطِ غم میں اک قیامت خیز عالم ہے
ارادہ کر رہا ہوں نالۂ دل آزمانے کا

میں وہ اک طائرِ پروردۂ سوزِ محبّت ہوں
کہ برقِ مضطرب تنکا ہے میرے آشیانے کا

ہر اک عکسِ وجودِ عارضی کہتا ہے باقی ہوں
تماشہ طرفہ تر ہے دہر کے آئینہ خانے کا

کلیم اللہ کا غش رہزنِ راہِ وفا نکلا
ارادہ تھا کسی کا طور پر ہنسنے ہنسانے کا

جسے اے حاجیو! دیتے ہو بوسہ جا کے کعبہ میں
ہے اک اُکھڑا ہوا پتھر کسی کے آستانے کا

گئی شبنم شعاعِ مہر کے زینے سے رفعت پر
کھُلا عقدہ سحر کو رات کے آنسو بہانے کا

قیامت نام ہے احسانؔ جس کا بزمِ عالم میں
ہے اک سادہ فرق میری تباہی کے فسانے کا

مدّتوں کے بعد کھلتا ہے یہ راز
کامرانِ عشق اک ناکام ہے

سخت مشکل ہے کہ فرقت ناگوار
وصل کا جذبہ مذاقِ عام ہے

شاد باش اے رہروِ میدانِ نزع
زندگی بس اور دو اک گام ہے

تھیں بغیر اُن کے کبھی نیندیں حرام
جن سے اب ملنا برائے نام ہے

اُن سے ہے دن رات آہ و رسمِ شوق
ابتدائے گردشِ ایّام ہے

نہیں سیرِ چمن یہ غم کا حاصل دیکھنے والے! کلیجا تھام لے اپنا مِرا دل دیکھنے والے!

مٹاتا جا رہا ہوں نقشِ پا صحرا نوردی میں کہاں ڈھونڈیں گے مجھکو میری منزل دیکھنے والے

ترے دل میں ہزاروں محفلیں جلووں کی پنہاں ہیں فلک پر انجمِ تاباں کی محفل دیکھنے والے

فشارِ ضبط سے لیلیٰ کہیں مجنوں نہ بن جائے نہ دیکھ اب سوئے محمل سوئے محمل دیکھنے والے

کسی کا عکس ہوں احسانؔ مرآتِ حقیقت میں
مجھے سمجھیں گے کیا تصویرِ باطل دیکھنے والے!

جب عشق میں اک جرم ہے آسان پسندی آسان نہیں ہے کہ میں مشکل کو بدل دوں

دیوانہ ہوں لیکن نہیں زنداں کا مخالف کیوں سنّتِ اربابِ سلاسل کو بدل دوں

آسان ہے تجھکو تو مجھے بھی نہیں مشکل تو آنکھیں بدل لے تو ابھی دل کو بدل دوں

اک رہروِ گم گشتہ ہوں آواز دے مجھکو منزل سے بدل جاؤں کہ منزل کو بدل دوں

احسان ازل سے میں وہ پروردۂ غم ہوں اشکوں میں ابھی گرمیِٔ محفل کو بدل دوں

نہ سجود ہے نہ قیام ہے نہ تمیزِ شام و حجاز ہے
کوئی یاد آ گیا جس طرح وہی اپنی طرزِ نماز ہے

یہ جو رنگ رنگ کے پھول ہیں یہ جو گلستانِ مجاز ہے
انھیں شاخچوں میں چھپا ہوا کہیں میرا محرمِ راز ہے

ابھی او مطربِ خوش نوا ابھی رنگِ سوز چھڑا ہے
کہ نوائے نغمۂ سرمدی ابھی زیرِ پردۂ ساز ہے

ترے پائے ناز پہ رات بھر رہا سجدہ ریز منیرؔ میں
جسے اوس کہتے ہیں بارشِ عرقِ جبینِ نیاز ہے

وہی نیم شب کی خموشیاں وہی پائمالِ قمر فضا
وہی کشتگانِ نیاز ہیں وہی خنجرِ لبِ ناز ہے

یہ چمن کا صحنِ طرب فزا یہ خرام گاہِ شمیمِ گل
یہ طلوعِ مہرِ منیر ہے کہ وہ روئے جلوہ طراز ہے؟

فصلِ گُل نے آ کے بھر دیں وحشتوں میں بجلیاں
وسعتیں کون و مکاں کی تنگیٔ زنداں ہو گئیں

میرے دل کی حسرتوں نے شعر کا بدلا ہے بھیس
سیکڑوں رنگینیاں لفظوں میں پنہاں ہو گئیں

چپّے چپّے پر چمن میں ہے خزاں کا اشتہار
پتّیاں پھولوں کی صرصر سے پریشاں ہو گئیں

صبح نے شہنائی چھیڑی سازِ دل بجنے لگا
نرم کرنیں زخمۂ تارِ رگِ جاں ہو گئیں

میرے فردوسِ تخیّل کو اُجاڑا یاس نے
آرزوئیں نقش بر دیوارِ زنداں ہو گئیں

ہچکیوں میں ہے، تہ و بالا کسی کی آرزو — میرے دل کی بستیاں پھر محشرستاں ہو گئیں

گردشِ گردوں کی رفتارِ ستم کوشی نہ پوچھ — بستیاں پامال ہو ہو کر بیاباں ہو گئیں

اُف ترے خوں گشتہ بسمل کا نرالا پیرہن — دھجیاں دامن کی پیوندِ گریباں ہو گئیں

رنگ لائینگی مری گلکاریاں احساںؔ ضرور
یہ اگر سرمایۂ اوراقِ دیواں ہو گئیں

بخش دی حالِ زبوں نے جلوہ سامانی مجھے — کاش مل جائے زمانے کی پریشانی مجھے

اے نگاہِ دوست اے سرمایہ دارِ بیخودی — ہوش آتا ہے تو ہوتی ہے پریشانی مجھے

کھُل چکا ہاں کھُل چکا دل پر ترا اسرارِ فریب — دے نہ دھوکا اے طلسمِ ہستیٔ فانی مجھے

پھر نہ ثابت ہو کہیں ننگِ بیاباں جسمِ زار — اے جنوں اتنا نہ کر مائل بہ عُریانی مجھے

مُنتہائے ذوقِ سجدہ یہ کہ سجدہ اک فریب — کفر تک لے آئی تکمیلِ مسلمانی مجھے

منزلوں احساںؔ پیچھے رہ گئے دیر و حرم
لیچلا جانے کہاں سیلابِ حیرانی مجھے

جب تک نظر میں ان کی بہارِ جمال ہے
کہدو یہ موت سے مرا مرنا محال ہے

اس دل میں تیری یاد ہے؟ اے شوقِ ہرزہ گا
یہ ایک وہم ہے، طلسمِ خیال ہے

چھائی ہوئی ہے شام سے چہرے پہ مردنی
بیمارِ غم کی رات گزرنا محال ہے

اُف رے یہ کائناتِ گلستاں کی بیکسی
ہر شاخِ گل بہار میں دستِ سوال ہے

کیسا چمن، کہاں کی صبا، کیا بہارِ گُل
یہ سب فریب کاریٔ حسنِ خیال ہے

ہوکر گداغریقِ ندامت ہوں اس قدر
پابندِ آستیں مرا دستِ سوال ہے

احساںؔ اس غزل میں مضامیں ہیں نو بہ نو
گرچہ زمینِ شعر بہت پائمال ہے

ہر رنگ میں جمال ترا بے نقاب ہے
دیکھے وہی کہ جس کی نظر کامیاب ہے

یہ جلوۂ بہار، یہ گلشن، نہیں نہیں
آنکھوں میں خواب ہے مری آنکھوں میں خواب ہے،

بیچین دل، جگر میں خلش، بے سکوں نظر
کہتے ہیں زندگی جسے اک اضطراب ہے

ہنستے ہیں پھول، جھوم رہی ہے ہر ایک شاخ
اللہ آج کون یہاں بے نقاب ہے

سبزے میں، گل میں، شمع میں، شبنم میں، برق میں
رعنائیِ جمال تری بے نقاب ہے

پھر یاد آئی ایک صراحی بدوش کی
لو پھر تصوّرات کی دُنیا خراب ہے

احسان چھیڑ سوز میں ڈوبی ہوئی غزل
جنگل ہے، خامشی ہے، شبِ ماہتاب ہے

آئے ہو پی کے شاید میخانۂ سحر سے
افسوں برس رہے ہیں مستی بھری نظر سے

فطرت نہ جانے مجھکو لیکر کہاں چلی ہے
شمعیں دکھا رہی ہیں جلوے اِدھر اُدھر سے

وہ جا رہے ہیں لیکن ہے عشق کا تقاضا
جذباتِ دل سے روکوں آواز دوں نظر سے

یہ کاروانِ ہستی جا تو رہا ہے لیکن
کیا لوٹنا بھی ہوگا انساں کو اس سفر سے

کافر تو ہو چکا ہوں شاید میں مدّتوں کا
پوجا نہیں بُتوں کو لیکن خدا کے ڈر سے

ذرّے ذرّے میں نظر آتی ہے رعنائی مجھے
یاد ہے، ہاں یاد ہے، وہ عہدِ برنائی مجھے

طعنہ زن ہیں پھر مری گلشن پسندی پر حریف
پھر کہیں لیچل جنونِ دشت پیمائی مجھے

جلوۂ قوسِ قزح ہے یا مئے رنگیں کی موج
یا نظر آیا فریبِ حُسنِ لیلائی مجھے

وجد کرتا ہوں صدائے نالۂ ناقوس پر
مست کر دیتے ہیں نغماتِ کلیسائی مجھے

باغ میں ہر گام پر طاری ہوا جاتا ہے غش
آتشِ گُل ہے شرارِ برقِ سینائی مجھے

یہ حیاتِ دلنشیں، یہ اک سہانی بزمِ ناز
غور سے دیکھا تو اک دھوکا نظر آئی مجھے

جب مرے ایوانِ دل پر چھا گئے جلوے ترے
ننگِ محملِ لیلیٰ حسرت نظر آئی مجھے

کاش وہ احسان مجھ کو اپنا سودائی کہیں
یوں تو اک عالم کہا کرتا ہے سودائی مجھے

جب رُخِ حُسن سے نقاب اُٹھا
بن کے ہر ذرّہ آفتاب اُٹھا

ڈوبی جاتی ہے ضبط کی کشتی
دل میں طوفانِ اضطراب اُٹھا

مرنے والے! فنا بھی ہے پردہ اُٹھ سکے گر تو یہ حجاب اُٹھا

بیخودی کے مقام سے بڑھ کر پردۂ نشۂ شراب اُٹھا

ہم تو آنکھوں کا نُور کھو بیٹھے اُن کے چہرے سے کیا نقاب اُٹھا

عالمِ حُسنِ سادگی، توبہ! عشق کھا کھا کے پیچ و تاب اُٹھا

نشّہ ہے نقصِ بیخودی احسان

لے اُٹھا، شیشۂ شراب اُٹھا!

خامشی اک بیان ہے گویا "بے زبانی زبان ہے گویا"

کہہ رہا ہے کسی سے کچھ کوئی دل تو اک ترجمان ہے گویا

مٹنے والے نہ ہارنا ہمّت یہ ترا امتحان ہے گویا

ہے ضعیفی میں شیخ طالبِ حور دل ابھی تک جوان ہے گویا

ہے چمن درسگاہ رازِ حیات پتّی پتّی زبان ہے گویا

جیسے کلیم نے دیکھا تھا طور پر رقصاں اسی جمال کو ہر شے میں دیکھتا ہوں میں
کہاں ہے خضرِ حقیقی پکار لے مجھ کو بچھڑ کے قافلے والوں سے رہ گیا ہوں میں
نکل چمن کی معطّر خموشیوں سے نکل کہ تجھ کو ڈھونڈنے آیا تھا کھو گیا ہوں میں
مرے جہانِ تمنّا کا آسرا تو ہے! تری تمام اداؤں کا مُدّعا ہوں میں
الا پتے ہیں ملک جن کو عرشِ اعظم پر وہ نغمے ڈوب کے ریشوں سے سُن رہا ہوں میں
خموش! نزع کی ہچکی کے دیکھنے والو!
رُخِ حیات سے پردہ اُٹھا رہا ہوں میں

ہوش میں آنے کو ہیں پھر ترے دیوانے چند ساقیا! بھر کے ابھی دے انھیں پیمانے چند
حاجیو! کیوں لئے جاتے ہو مجھے بہرِ طواف بھیس کعبے کا ہیں بدلے ہوئے بتخانے چند
مجھے تنہائی میں اللہ یہ کس کا ہے خیال سایہ افگن ہیں تصوّر میں پریخانے چند
سُن نہ اے داورِ محشر مری رودادِ حیات! بھولے بسرے سے یونہی یاد ہیں افسانے چند

ساقیا! ختم نہ کر دورِ مئے ہوش ربا — آج محفل میں اُڑے بیٹھے ہیں فرزانے چند

ہے ابھی دیدۂ احساں میں جنبشِ ساقی

اور درکار ابھی ہیں اِسے پیمانے چند

جب میں ہمرازِ دلِ درد آشنا ہو جاؤنگا — دل ہی سے پھر کوئی یہ پوچھے کہ کیا ہو جاؤنگا

مدّعائے دل اگر یونہی رہا صبر آزما — رفتہ رفتہ بے نیازِ مدّعا ہو جاؤنگا

ہو گیا بیدار جس دن جذبۂ شوقِ نمود — حشر بن کر بزمِ عالم میں بپا ہو جاؤنگا

ان کے جلووں میں اگر گم ہو گئی روحِ نظر — وہ وہی ہوں گے مگر میں جانے کیا ہو جاؤنگا

ہر نفس پر توڑتا جاتا ہوں ایک خیطِ کمند — رفتہ رفتہ دامِ ہستی سے رہا ہو جاؤنگا

اپنی صورت ذرّہ ذرّہ میں نظر آنے لگی — ہیں خودی کے گر یہی تیور خدا ہو جاؤنگا

مرتعش شبنم کا قطرہ ہوں سرِ خارِ مغیل — اک ذرا سی ٹھیس لگتے ہی فنا ہو جاؤنگا

ہے مرے ذوقِ فنا میں مستتر تعلیمِ عشق — صفحۂ عالم پہ تشریحِ بقا ہو جاؤنگا

کیا کوئی سمجھے گا رتبہ عشق کی تقصیر کا حلقۂ عالم ہے ہر حلقہ مری زنجیر کا

اذنِ آزادی مجھے اور موسمِ گلبار میں رہ گیا سکتہ میں ہر حلقہ مری زنجیر کا

دیکھئے کس دن ہوں زندانِ عناصر سے رہا ہوگئی مدّت سِرا ملتا نہیں زنجیر کا

دل شکستہ ہوں خدا کے واسطے ہلکی نظر ٹکڑے ہو جائے نہ آئینہ مری تصویر کا

حشر میں احساںؔ پوچھینگے اگر فردِ عمل
ہم دکھا دینگے نوشتہ کاتبِ تقدیر کا

قیامت در بغل محشر بکف ان پر شباب آیا ستم نے صورتیں بدلیں کرم میں انقلاب آیا

ادھر بھیا یادِ من اور ادھر کالی گھٹا اٹھی دُعائے میکشاں کا بامِ گردوں سے جواب آیا

نہ دے اور رونے والے آنسوؤں سے غسل ذرّوں کو بس اب سجدے سے اُٹھ وہ دیکھ کوئی بے نقاب آیا

پہن کر چرخ پر کالی گھٹا کا ماتمی جامہ یہ کس کی جستجو میں کون محوِ اضطراب آیا

شفق کی لالہ کاری چھائی جاتی ہے فضاؤں پر تصوّر میں کوئی اُف لیکے پھر جامِ شراب آیا

دیارِ ثابت و سیار میں ہلچل نہ پڑ جائے
خراب جلوۂ خود کام با حالِ خراب آیا

خزاں میں زرد رُو تو نسے ہوئی غنچے یہ کہتی ہیں
شباب آنے کو آیا ہاں مگر پا در رکاب آیا

رہا احسانؔ کب رنگِ زمانہ ایک حالت پر
ہر اک تارِ نفس لے کر پیامِ انقلاب آیا

ہے روشن ذرّہ ذرّہ پر توِ خورشیدِ عالم سے
مجھے ہر شکل میں شانِ خدا معلوم ہوتی ہے

نہیں ممکن کسی کو امتیازِ دیر و کعبہ ہو
مجھے یہ عقلِ خود بیں کی خطا معلوم ہوتی ہے

تماشا ہے کہ ہیں مصروفِ ماتم اپنے بیگانے
مگر بیمارِ ہستی کو شفا معلوم ہوتی ہے

چٹک غنچے کی گوشِ ہوش سے سُن بلبلِ ناداں
کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا معلوم ہوتی ہے

یہ میدانِ محبت ہے سنبھل کر گامزن ہونا
کہ اس کی انتہا بھی ابتدا معلوم ہوتی ہے

آج کرنا ہے علاجِ زخمِ پنہانی مجھے
چشمِ تر دے اس کے دھونے کیلئے پانی مجھے

جنبشِ ہر برگ سے بڑھتا ہے دل کا اضطراب
باغ میں دیتی ہے نرگس درسِ حیرانی مجھے

لذتِ مشقِ تصور نے بالآخر سونپ دی
دل کو دربانی مری اور دل کی دربانی مجھے

درسِ شیون دے رہا ہے مجھکو ہر اک عندلیب
گُل سکھاتے ہیں چمن میں چاک دامانی مجھے

خوش نہ ہو احساںؔ کیوں ذوقِ نظر کے ساتھ ہی
بخش دی ہے میرے مولا نے پریشانی مجھے

تھرتھراتے ہوئے دو سُرخ سے آنسو نکلے
تیرے شیدا کی دمِ مرگ یہ حالت دیکھی

اللہ اللہ رے معراج تصور کی بہار
آئینہ سامنے رکھ کر تری صورت دیکھی

حشر میں داورِ محشر کی پرستش کو چلے
واعظو! حسن پرستوں کی حقیقت دیکھی؟

بجلیاں عرش سے لاتی ہیں دعاؤں کا جواب
غم نصیبوں کے تکلم کی صداقت دیکھی؟

اس محبت کا بُرا ہو کہ بدل دی دُنیا
تم نے دو دن ہی میں احساںؔ کی صورت دیکھی؟

اب زمانے کی مسرت سے نہیں کام مجھے پیس بھی ڈال کہیں گردشِ ایام مجھے

ذرہ ذرہ پہ ہے مکتوبِ محبت کا گماں کھو کے چھوڑینگے ترے نامہ و پیغام مجھے

دل کی دنیا پہ ہے اک حشر کا عالم طاری اس طرح چھیڑ نہ اے حسرتِ ناکام مجھے

یہ تمنا ہے کہ اُٹھے ترے جلووں سے حجاب کھینچ لائی ہے کہاں تک ہوسِ خام مجھے

شاعری کیلئے درکار ہے فرصت احسان
دم بھی لینے دے کہیں کثرتِ آلام مجھے

آنکھ کیا آنکھ ہے اشکوں سے جو آباد نہیں دل وہ کیا دل ہے جو لذت کشِ بیداد نہیں

اے کہ آغازِ طرب گاہ پہ مٹنے والے کون سے نغمہ کے انجام میں فریاد نہیں؟

ہے دمِ نزع سُنو قصۂ انجامِ حیات! اس سے بہتر کوئی افسانہ مجھے یاد نہیں

سازِ دل تشنۂ مضرابِ الم رکھتا ہوں میرے مذہب میں روا شکوۂ بیداد نہیں

بھول سی بھول ہے احسان وہ فرماتے ہیں ہاں کہیں آپ کو دیکھا ہے مگر یاد نہیں!

کہاں وہ اوجِ کمال اور کہاں یہ قعرِ زوال الٰہی کس کی نگاہوں سے گر گیا ہوں میں

نظر فروزیٔ انجم، فروغِ ماہ، سلام کسی کے ایک تبسّم پہ بک چکا ہوں میں

خموش شورشِ کونین گوش بر آواز شکستِ دل کا فسانہ سنا رہا ہوں میں

گِلہ زباں پہ جو آیا کہ سو گئی قسمت تو درد اٹھ کے پکارا کہ جاگتا ہوں میں

اگرچہ شوق میں احسان ہیں زباں آنکھیں

کسی کے نام کو پھر بھی چھپا رہا ہوں میں

سمجھنے کیلئے آئے تھے لیکن کون سمجھائے حقیقت کو زبانِ حال پر آنا نہیں آتا

تری آنکھیں جسے بیہوش کر دیتی ہیں اے ساقی قیامت تک اُسے پھر ہوش میں آنا نہیں آتا

یہ مانا ناخنِ تدبیر عقدے کھول دیتا ہے مگر تقدیر کی گتھی کو سلجھانا نہیں آتا

سپردِ خاک کر کے جائینگے یہ جامۂ خاکی ہمیں مٹّی میں مٹّی ہو کے مل جانا نہیں آتا

خدا نے یہ شرف بس پیرِ میخانہ کو بخشا ہے

تمھیں اے واعظو! رندوں کو سمجھانا نہیں آتا

زباں جو وقف ہے اصواتِ ہاؤ ہو کے لئے
وہ کب کھُلے گی بھلا شرحِ آرزو کیلئے

جو دے سکے تو خدا اور وسعتیں دے دے
ہیں تنگ کون و مکاں بزمِ آرزو کیلئے

کہاں کی منزلِ مقصود؟ کارواں کیسا؟
تری تلاش میں ہوں اپنی جستجو کیلئے

نظر کو حسن کے جلوؤں میں ڈوب جانے دو
یہ شے نہیں ہے حجاباتِ رنگ و بو کیلئے

ادا ہو سجدۂ شکرانہ الم کیونکر؟
یہ مفلسی ہے کہ پانی نہیں وضو کیلئے

زبانِ شوق کا احسان کیا بھروسہ ہے
دل و جگر بھی ہیں درکار گفتگو کے لئے

بہار آئی ہے تازہ یادِ دورِ گلفشاں کرلیں
قفس میں رہنے والو آؤ عرسِ آشیاں کرلیں

خیالِ ضبطِ دم پر بن گئی ہے اب اجازت دے
کہ ان محروم نظروں کو کسی کی داستاں کرلیں

تڑپتی ہیں لبِ خاموش میں مظلوم فریادیں
ذرا اوسان قائم ساکنانِ آسماں کرلیں

امانت اپنی منقاروں میں ہیں وہ آتشیں نغمے
کہ جس تنکے کو ہم چاہیں چراغِ آشیاں کرلیں

خزاں ملبوس ہے رنگینیٔ بادِ بہاری میں
چمن برباد دوں کہدو انصرامِ گلستاں کر لیں

یقیں یہ ہے کہ نبضِ حسن کی رفتار گھٹ جائے
اگر ہم دل ہی دل میں ایک ہلکی سی فغاں کر لیں

تم اپنے دیکھنے والوں کو دادِ دوربینی دو
کہ جس ذرّے میں چاہیں جھک کے سیرِ دو جہاں کر لیں

زباں ہر جنبشِ مژگاں ہو، خاموشی ہو افسانہ
زبانِ شوق کو گر بے نیازِ داستاں کر لیں

نمودِ آشیاں کو پہلا تنکا لے کے جاتا ہوں
مرا ماتم ابھی سے ساکنانِ گلستاں کر لیں

یہاں تک گامزن ہیں منزلِ مشقِ تصوّر میں
نظر جس شے پہ ڈالیں اس کو تیرا آستاں کر لیں

جنھیں دیر و حرم کی تنگ راہوں سے گزرنا ہو
ہمیں احسانؔ وہ اپنا امیرِ کارواں کر لیں

عمرِ رفتہ کی کہانی کیا ہے؟
ایک تہمت ہے جوانی کیا ہے؟

میرے اشکوں کی روانی، دیکھی!
تیرے خنجر کی روانی کیا ہے؟

رات روتے ہوئے گزریگی ضرور
ورنہ یہ دل پہ گرانی کیا ہے؟

ہے جب آواز فضا میں محفوظ جانے پھر دہر میں فانی کیا ہے؟

ہائے تم اور یہ پھر مجھ سے سوال وجہِ آزردہ بیانی کیا ہے؟

جی رہا ہوں ترے وعدہ پہ ہنوز اور مرنے کی نشانی کیا ہے؟

چارہ جو کاش تجھے ہو معلوم حاصلِ دردِ نہانی کیا ہے

ہاتھ میں تیغ ہے بَل چتون پر آج یہ آپ نے ٹھانی کیا ہے؟

عہدِ پیری میں رُلاتی ہے لہو
ہائے کمبخت جوانی کیا ہے؟

میں اکیلا ہی نہیں بیکل تمھاری یاد میں حشر برپا ہو رہا ہے عالمِ ایجاد میں،

ہاں مری ہستی کبھی تھی نازشِ حُسنِ چمن اب تو مدّت سے ٹھکانا ہے کفِ صیّاد میں

ہر رگ و پے میں سرایت کر رہا ہے اضطراب زندگی کا راز پاتا ہوں تمھاری یاد میں

اک جنوں پرور جھلک دے کر حریمِ ناز سے تم نے لاکھوں بجلیاں بھر دیں دلِ ناشاد میں

کُھل گیا بے التفاتی کا معمّہ کُھل گیا لُطف کی دنیا ہے پنہاں پردۂ بیداد میں

شب کی تاریکی میں یہ لرزاں ستاروں کے ہجوم
گلستاں کی تپتی پتی ہے کسی کی یاد میں

چاندنی راتوں کے سناٹے میں اُف ان کا خیال
سیکڑوں محشر تڑپتے ہیں لبِ فریاد میں

نور کے تڑکے میں جب تارے جھکاتے ہیں نظر
اک جہاں کروٹ بدلتا ہے دلِ ناشاد میں

کیا کہوں احساںؔ اس رنگیں تصوّر کا سرور
بات یہ حاصل نہیں ہوتی خدا کی یاد میں!

رواں ہیں اشک پیہم انقلابِ رنگِ محفل سے
اُبلتے ہیں یہ دو شفاف چشمے وادیٔ دل سے

نہیں بے وجہ یہ لرزہ براندامی، یہ خاموشی
مری حسرت لپٹ کر رو رہی ہے شمعِ محفل سے

ٹھہر اے گردشِ گرداب دیکھوں کون ہے آخر
مجھے کس نے پکارا ہے تماشا گاہِ ساحل سے

بیابانوں میں پچھلی رات جب ہوتا ہے سناٹا
سُنا کرتا ہوں اُن کا تذکرہ تاروں کی محفل سے

لئے جاتے ہیں کس کی لاش کو یہ چند دیوانے
الٰہی کون رخصت ہو رہا ہے کوئے قاتل سے

کسی نے وہ درختوں کے اندھیرے سے نقاب اُلٹی
جھلک اُٹھا ہر اک ذرّہ شعاعِ حسنِ کامل سے

وہ جگمگ جگنوؤں کی نیم شب دریائے راوی پر
کہ جیسے اُٹھ رہی ہو کہکشاں آغوشِ ساحل سے

ٹھہر اے شورشِ انفاس خاموشی کا موقع ہے
صدائے دوست شاید آ رہی ہے ربطِ دل سے

مرے اشعار کیا؟ احسانؔ میں کیا؟ میری ہستی کیا؟
چھلک ہے اک مئے جذبات کی پیمانۂ دل سے

ملے ہیں ایسے مقدر سے خیر خواہ مجھے
کہ کر دیا ہے ہر اک رنگ سے تباہ مجھے

فریب دے نہ سکیں گے یہ مہر و ماہ مجھے
ملی ہے ان سے کہیں ماورٰی نگاہ مجھے

شکستِ زہد نہیں ہے جو مقصدِ فطرت
یہ کون کرتا ہے آمادۂ گناہ مجھے

یہ غور کر کہ زمانہ کہے گا کیا آخر
زبان دی تھی تو اب عمر بھر نباہ مجھے

مصیبتوں سے رہا گرچہ میں بہت بدظن
مصیبتوں ہی میں آخر ملی پناہ مجھے

تمام عمر میں کھاتا رہا فریبِ نگاہ
تمام عمر چھپاتی رہی نگاہ مجھے

میں ناخدا کو خدا کس طرح سمجھ بیٹھوں
ڈبو نہ دے غلط اندازئ نگاہ مجھے

نظر نظر تھی بالآخر بلند ہو کے رہی
حضورِ حُسن نے رکھا نہ بے گناہ مجھے

روزِ ازل یہ کس کو خبر تھی کہ زندگی
ہے آستیں میں دشنہ و خنجر لیئے ہوئے

کرتی ہے پھول پھول پہ سجدے نگاہِ شوق
دل میں خیال روئے منوّر لیئے ہوئے

رودادِ سازِ ہستیٔ موہوم کچھ نہ پوچھ
ہے تار تار شورشِ محشر لیئے ہوئے

ہاں یاد ہے وہ اُن کی اُچٹتی ہوئی نظر
اب تک ہوں اک خراش سی دل پر لیئے ہوئے

اے دردِ عشق چل کسی گوشے میں بیٹھئے
کیتک پھرے گا یوں مجھے در در لیئے ہوئے

اے رحمتِ خدا تری طغیانیوں کی خیر
آیا ہوں اک گناہ کا دفتر لیئے ہوئے

احساںؔ کوئے دوست میں کب ہوگا باریاب
جو بدنصیب دوش پہ ہے سر لیئے ہوئے

ستمگاریاں ہیں جفا کاریاں ہیں
غرض ہر طرح عاشق آزاریاں ہیں

کوئی مرنے والوں سے اتنا تو پوچھے
کہاں کو یہ چُپ چاپ تیاریاں ہیں

مدد اے قضا! رخصت اے دردِ ہجراں
مجھے اپنے جینے سے بیزاریاں ہیں

ازل میں انھیں رحمتِ حق نے تاکا! عجب شے ہماری گنہگاریاں ہیں
چمن ساز کی آنکھ سے کوئی دیکھے کہ ہر خار میں لاکھ گلکاریاں ہیں
جنوں نے ہلایا ہے پھر آکے شانہ بیاباں نوردی کی تیّاریاں ہیں
زمانے کا پامال کردہ ہوں لیکن
وہی مجھ میں احسانؔ خودداریاں ہیں

دیئے جا بھر کے پیمانے پہ پیمانہ کہ اے ساقی مجھے لبریز یونہی عمر کا پیمانہ کرنا ہے
مجھے درسِ جنوں کی بھی عطا توفیق کر یا رب کہ اک عالم کو اس کے حسن کا دیوانہ کرنا ہے
نگاہِ مست بہکی پھر رہی ہے جوشِ مستی میں زمانے بھر کو جیسے آج ہی میخانہ کرنا ہے
نگاہو! جلد کر لو طے، حدیں حسنِ مجازی کی تمھیں اک دن طوافِ جلوۂ جانانہ کرنا ہے
شبِ ہجراں ہے بھر دے سوز یا رب دل کی داغوں میں
کہ روشن ان چراغوں سے مجھے غم خانہ کرنا ہے

نہ تو ماہ بن کے فلک پہ رہ، نہ تو پھول بن کے چمن میں آ!
یہ تمام جلوے سمیٹ کر کسی دلگدازِ پھبن میں آ!

ادب اے خیالِ خدا نُما، کہ فلک سے آنے لگی صدا
تجھے آرزوئے حیات ہے تو دیارِ دار و رسن میں آ!

نہ جمال ہو، نہ جلال ہو، نہ جواب ہو، نہ سوال ہو
جو الست و کُن سے تھی پیشتر تو اُسی ادائے کہن میں آ!

مرا مدّعائے نظر ہے تُو، میں تڑپ رہا ہوں کدھر ہے تُو؟
مری کائناتِ خیال بن مرے ملکِ شعر و سخن میں آ!

یہ بھی کوئی شانِ نمُود ہے، کہ خیال ہی میں وجود ہے
تو حجابِ لالہ و گُل میں بس، تو لباسِ سرو سمن میں آ!

تری ذرّہ ذرّہ کو جستجو تری پتّے پتّے کو آرزو،
کبھی پردہ ہائے جمال و بُو سے نکل کے صحنِ چمن میں آ!

نہ چھین ساغرِ مے مجھ سے اے خیالِ طہورا یہی ہے عمر میں پہلا گناہ، کرنے دے

جمالِ دوست یہ نظارہ سوزیاں کب تک نظر کو رقص سرِ جلوہ گاہ کرنے دے

تجھے انہیں کی قسم اے خیالِ رُسوائی بس ایک بار مجھے اور آہ کرنے دے

تڑپنے شوقِ سجودِ عبودیت نہ تڑپا! مجھے نیاز کی دُنیا تباہ کرنے دے

ہٹ اے خرد کہ وہ آئی ہے کیف بار گھٹا مجھے گناہ سے دفتر سیاہ کرنے دے

ابھی شباب ہے احسانؔ ذکرِ حشر نہ چھیڑ
گناہگار ہوں مجھ کو گناہ کرنے دے

کوئی محوِ آہ و بکا ہوا ہے جفائے محرمِ راز سے کہ صدائے سوز نکل رہی ہے تڑپ کے پردۂ ساز سے

ہوئی عندلیب جو نغمہ زن کئی سجدے شاخوں نے لے لیے کہ فضائے دہر میں گونجتی ہی اذاں ہی پہلے نماز سے

مری جستجو ہے وہ جستجو جو اسیرِ رنگِ بیاں نہیں
مرا ذوقِ دید گزر چکا ہے حدودِ حُسنِ مجاز سے

عشق کی دنیا میں اک ہنگامہ برپا کر دیا
اے خیالِ دوست یہ کیا ہو گیا کیا کر دیا

ذرہ ذرہ نے مرا افسانہ سُن کر داد دی
تیرے شیدا نے جہاں کو تیرا شیدا کر دیا

طور پر راہِ وفا میں بو دیئے کانٹے کلیم
عشق کی وسعت کو محدودِ تقاضا کر دیا

بسترِ مشرق سے سورج نے اُٹھایا اپنا سر
کس نے یہ محفل میں ذکرِ حُسنِ یکتا کر دیا

چشمِ نرگس سے لہو برسے گا غنچے روئیں گے
ہم نے جس دن گلستاں کا راز افشا کر دیا

قیس! یہ معراجِ اُلفت ہے کہ اعجازِ جنوں
نجد کے ہر ذرہ کو تصویرِ لیلےٰ کر دیا

مُدّعائے دل کہوں احساں کس اُمید پر
وہ جو چاہینگے کرینگے اور جو چاہا کر دیا؟

تنگیٔ ظرفِ دل تو دیکھ میکدۂ بہار میں
خون چھلک کے آ گیا دیدۂ اشکبار میں

زخم نہ کوئی کھُل پڑے سینۂ داغدار میں
چھیڑ نہ قصۂ بہار ہم ہیں غمِ بہار میں

بزمِ طراز دوسرا کچھ تو نویدِ قرب دے
بیٹھ نہ جائے تھک کے دل منزلِ انتظار میں

جلوۂ حُسنِ گلستاں دیکھ کے عقل دنگ ہے — جھوم رہا ہے کس کا عکس آئینۂ بہار میں

اے مرے دیرآشنا، وعدۂ حشر واہ وا! — صبر کی روح پھونک دی حسرتِ بیقرار میں

حُسن نے از رہِ کرم رُخ سے نقاب اُٹھا دیا — کھیل رہی ہے چشمِ شوق جلوۂ بیکنار میں

دل پہ شفق کی سرخیاں حشر اُٹھا اُٹھا گئیں — خون اُتر کے رہ گیا دیدۂ انتظار میں

فطرتِ حُسن سینہ سوز، صورتِ حُسن گلفروز — بادۂ تند و تیز ہے ساغرِ خوشگوار میں

ساقیٔ دل نواز نے ڈال دیا حجابِ کیف
فرق وگرنہ کچھ نہیں بیخود و ہوشیار میں

مری مستیوں پہ واعظ تری خِفّتیں تصدّق — تو گناہِ بیخودی سے ابھی آشنا نہیں ہے

مجھے یاد آنے والے ہے سحر قریب آجا — سرِ بزمِ آرزو اب کوئی دوسرا نہیں ہے

انھیں انفعال کیوں ہے مرے شکوۂ جفا پر — وہ نظر نظر نہیں جو ستم آشنا نہیں ہے

درِ شاہدِ عدم پر سرِ زندگی جھکا دے — کہ اس انتہا سے پہلے تری ابتدا نہیں ہے

مری غم نوائیوں پر سرِ بزم ہنسنے والو
یہ خیال بھی نہ کرنا کہ مرا خدا نہیں ہے

ترا حُسن ہے ازل سے مرا عشق ہے ابد تک
تری ابتدا نہیں ہے مری انتہا نہیں ہے

غمِ بیکسی پہ احساں مری راحتیں تصدّق
کہ جہاں میں اس سے بڑھ کر کوئی آشنا نہیں ہے

ہے وقتِ جانکنی اے آرزو تیرا خدا حافظ
تجھے ہم آج قیدِ قلب سے آزاد کرتے ہیں

قیامت تک فریبِ نور و ظلمت کھل نہیں سکتا
چلو بس ہمنواؤ اب قفس آباد کرتے ہیں

میں ہر ذرّے کو راہِ عشق میں رہبر سمجھتا ہوں
جنابِ خضر کہئے آپ کیا ارشاد کرتے ہیں؟

اُنھیں پردہ میں رہنا ہے تو پردہ میں رہیں لیکن
مرا شیرازۂ اُمیّد کیوں برباد کرتے ہیں

ہے میرا خرمنِ ہوش و خرد محروم کیوں اب تک
ترے جلوے تو لاکھوں بجلیاں ایجاد کرتے ہیں

تھم اے شورِ نفس، وہ آگئے بزمِ تصوّر میں
جنھیں ہم رات کی خاموشیوں میں یاد کرتے ہیں

یہ وقتِ نزع اور پھر صبر پرور ہچکیاں میری
ٹھہر اے جاں کنی شاید مجھے وہ یاد کرتے ہیں

الٰہی دل کو ماتم خانۂ صد آرزو کر دے کہ اس میں رہنے والے ہی اسے برباد کرتے ہیں

دمِ سجدہ نہیں احسانؔ اتنی بھی خبر ہم کو
خدا کا نام لیتے ہیں کہ اُن کو یاد کرتے ہیں

تجدیدِ تبسّم فرما کر پھر دل کی لگی کو بھڑکا دے ارمانِ شہادت مضطر ہیں چلمن کو اُٹھا بسمل کر دے

وہ ضبط کا پرچم لہرائے اظہار کی بیکل بستی پر جو عرضِ لبِ خاموش تو کیا فریادِ نظر مشکل کر دے

یہ درد جو دل میں اٹھتا ہے نظارۂ حُسنِ خوباں سے اس درد کے صدقے صبر و سکوں اس درد کو جانِ دل کر دے

محرومِ نظر مجبورِ زباں، مایوسِ اثر، مسدودِ بیاں اک حشر سا برپا ہے یارب آساں مری مشکل کر دے

فریاد و فغاں کے بربط پر مغموم خموشی طاری ہے اُٹھ اپنے رسیلے نغموں سے پھر گرم ذرا محفل کر دے

ہر چند شرابِ رنگیں سے لبریز ہے دل کا پیمانہ اے پیرِ مغاں اس ساغر میں کچھ کیفِ نظر شامل کر دے

اے برقِ نظر، اے ماہِ جمال احسانؔ کا سینہ حاضر ہے
اس صبر و سکوں میں آگ لگا تاراج دیارِ دل کر دے

دلِ دیوانہ پہلو میں اگر ہو کسی کو خاک پھر اپنی خبر ہو
جہاں ہو حُسن کی نظارہ سوزی نگاہوں کا وہاں پھر کیا گذر ہو
سلامت میری بیہوشی سلامت مجھے کیوں اپنی حالت کی خبر ہو
رگوں میں بجلیاں سی تیر جائیں اسی شدّت سی پھر دردِ جگر ہو
گلستاں میں بہار آئے تو آئے بھلا دیوانگی کیوں زور پر ہو
رگِ گردن میں، دل میں، یا نظر میں ذرا آواز بھی تو دو 'کدھر ہو؟
مسّرت خیز ہے خلوت میں رونا الٰہی یہ تماشا عمر بھر ہو
ستم ہے وہ زمانے سے ہو پنہاں جسے سارے زمانے کی خبر ہو
تم اپنی حسرتِ دیدار لے لو خدارا اب یہ قصّہ مختصر ہو

وہ جلوہ کب نظر آئیگا احسان
جو مستورِ حجاباتِ نظر ہو!

تھی صدائے دردِ آوازِ ربابِ دل نہ تھی
یہ جگر کاوی تمھاری بزم کے قابل نہ تھی

ہے تجھے منظور پردہ، ورنہ اے دیوانہ گر!
میں جہاں بھٹکا پھر او وہ کیا تری منزل نہ تھی؟

رات بھر رقصِ تجلّی چشمِ حیراں میں رہا
کیا فقط اک خواب تھا وہ آپ کی محفل نہ تھی؟

سازِ دل بگڑا، زباں ساکت ہوئی، اچھا ہوا
رات ورنہ میں نہ تھا یا گرمیٔ محفل نہ تھی!

تیرے دیوانوں کو ہر شے میں رہی تیری تلاش
کوئی بھی جنبش نگاہِ شوق کی باطل نہ تھی

جس کو سُن کر رات بھر لرزاں رہی بزمِ نجوم
نامکمل ایک سسکی تھی فغانِ دل نہ تھی

معصیت گاہِ محبت کی نمائش، اور تُو؟
آہ، یہ محفل تری تنظیم کے قابل نہ تھی!

میری غرقابی پہ تھی موقوف تکمیلِ ہجوم
پھر وہ پہلی سی صفِ ماتم لبِ ساحل نہ تھی

میں اُٹھاتا کس طرح تمہیدِ عرضِ مدّعا
داستاں میری کسی عنواں کے قابل نہ تھی

ہائے وہ تجدیدِ عشرت، اُف وہ پروازِ خیال
کس طرح کہہ دوں کہ مستیٔ ہستی کامل نہ تھی

الاماں احسانؔ صورت خانۂ بہزادِ حسن
کون سی صورت تھی رعنائی میں جو کامل نہ تھی؟

نگاہ و دل کے افسانوں میں کچھ ترمیم کرتا ہوں	نئے سر سے جنون و عشق کی تنظیم کرتا ہوں
تماشہ ہے کہ تشریحِ امید و بیم کرتا ہوں	رموزِ حسن کو پابستۂ تنظیم کرتا ہوں
حرم میں جا کے میں تو ہیں سجدہ کس لیے کرتا	تری تعظیم کرنا تھی تری تعظیم کرتا ہوں
مرے پُر درد نالے تیرتے ہیں شب کے سینے میں	فضا میں ارمغانِ بیکسی تقسیم کرتا ہوں
نوائے دُنیا، زبونِ فطرت، سیہ باطن سہی لیکن	ترے حُسنِ نظر افروز کو تسلیم کرتا ہوں
دُعائیں مانگتا ہوں رات بھر تسکینِ قلبی کی	معاذاللہ رضائے دوست میں ترمیم کرتا ہوں
زمانہ حُسن کی پابندیوں کو خواہ کچھ سمجھے	مگر میں آپ کی ہر بات کو تسلیم کرتا ہوں
مری ناقص خیالی ہے مری ناقص خیالی ہے	کہ طاعت سے امیدِ کوثر و تسنیم کرتا ہوں
خمِ قوسِ قزح کی دلنشینی واہ رے فطرت	اسی محراب میں خم گردنِ تسلیم کرتا ہوں
وہ جب سینے میں اُٹھتا ہے تو میں اُٹھتا ہوں بستر سے	کسی کے درد کی اس شان سے تعظیم کرتا ہوں
دمِ سجدہ کسی کی شکل رہتی ہے تصوّر میں	مذاقِ بندگی میں اک نئی ترمیم کرتا ہوں
زمانہ قائلِ تدبیر ہے احسان ہو لیکن	میں افسوں کاریٔ تقدیر کو تسلیم کرتا ہوں

ہر طرف محفل میں برپا شورِ نوشا نوش ہے
توبہ توبہ ہوش میں آنے کا کس کو ہوش ہے

ہوش کی پی ہوش کی، زندانِ تقویٰ کے اسیر
جس کو بیہوشی سمجھتا ہے کمالِ ہوش ہے

واہ رے معراجِ وحشت کی بہارِ جاں فزا
میری نظروں میں ہر اک کانٹا گلستاں پوش ہے

آ چلی بیمارِ غم کے منہ پہ رونق آ چلی
اب کوئی دم میں چراغِ زندگی خاموش ہے

پاؤں میں لغزش، بدن میں تھرتھری، ساغر بہ کھ
اپنی بیہوشی پہ میں قربان کتنا ہوش ہے

چاندنی راتوں میں ہر ذرّے سے سنتا ہوں صدا
چھپنے والا ڈھونڈنے والے یہیں روپوش ہے

وسعتِ تخئیل پر ہے بیخودی چھائی ہوئی
جسم کی رگ رگ میں موجِ بادہ سرجوش ہے

محفلِ دنیا نظر آتی ہے مستِ بیخودی
اب تو میں دعوے سے کہتا ہوں مجھے بھی ہوش ہے

آ رہا ہے پھر تصوّر میں کوئی گیسو بدوش
ہوشیار اے دل کہ وقتِ امتحانِ ہوش ہے

بے زبانی ہے حقیقت میں حدیثِ دردِ دل
اشک کیا گویا زبانِ نالۂ خاموش ہے

چھپنے والے یہ حجاباتِ تجلّی بھی اُٹھا
دیدۂ احساںؔ سے کس واسطے روپوش ہے

پھر مرے دل میں ہے بیدار گناہوں کا خیال
آج شاید تری رحمت نے کیا یاد مجھے

کھینچ کر سوئے حرم لے تو چلا ہے واعظ!
آ نہ جائیں دمِ سجدہ وہ کہیں یاد مجھے

اُن کی معصوم نگاہوں کا گلہ ہے بے سود
کر دیا ہے مرے احساس نے برباد مجھے

منزلِ بیخودئ شوق کے حالات نہ پوچھ
ذرّے ذرّے نے سُنائی مری روداد مجھے

اُٹھی انگڑائیاں لے لے کے قیامت دل میں
بیٹھے بیٹھے ابھی آیا تھا کوئی یاد مجھے

ہو گیا اُن کی نگاہوں سے تصادم دل کا
آ گیا آج تو احسانِ خدا یاد مجھے!

نور سے لبریز آتی ہے نظر دُنیا مجھے
جذبۂ شوقِ طلب نے کر دیا بینا مجھے

ہر قدم پر منزلِ جاناں کا ہے دھوکا مجھے
دیدیا کس نے فریبِ دیدۂ بینا مجھے

کر رہے ہیں سیکڑوں جلوے مرے دل کا طواف
آپ نے چلمن سے شاید جھانک کر دیکھا مجھے

اے خیالِ جلوۂ حیرت تماشا آفریں
بخش دی اک کیف میں ڈوبی ہوئی دنیا مجھے

ڈھل چکی شب ہو چلا تاروں میں پیدا ارتعاش
چاند سجدے میں جھکا اے بیخودی لینا مجھے

پھر بہار آئی گریباں پر بڑھا دستِ جنوں
ڈھونڈتا پھرتا ہے پھر ہر ذرۂ صحرا مجھے

جس جگہ جھکتی ہے جھکنے دو جبینِ اشتیاق
اب نہیں ہے امتیازِ بندہ و مولا مجھے

جلوہ زارِ حسن میں گم ہو گئی عرصہ ہوا
دے گئی میری نگاہِ اوّلیں دھوکا مجھے

دل منوّر ہے مرا احسانِ سوزِ عشق سے
قابلِ نفرت نہ سمجھے حسن کی دنیا مجھے

ازل سے جادۂ راہِ وفا پر چلنے والوں کو
مصیبت سے جو گھبرا جائے ایسا دل نہیں ملتا

زمانہ ہو گیا گذرے ہوئے مشکل کی منزل کو
مگر اب تک وہ میرا حاصلِ مشکل نہیں ملتا

ذرا خود سوچ او لطفِ محبت پوچھنے والے
محبت کا مزا کیا خاک ہے جب دل نہیں ملتا

اسے امید ہو سکتی ہے کیا تیری نوازش کی
جسے غم بھی بقدرِ آرزوئے دل نہیں ملتا

محبت اور محبت کی مدارج خاک جانے گا
وہ بد قسمت کہ جس کو اضطرابِ دل نہیں ملتا

ہے پھر جبینِ شوق میں ہنگامۂ سجود پھر دل ہے اک نیاز کی دُنیا لئے ہوئے

آئی بہار جھومتے پھرتے ہیں میگسار لب پر حدیثِ ساغر و مینا لئے ہوئے

وہ پَو پھٹی وہ گونج اُٹھا بربطِ چمن آنکھیں ہیں خوابِ جلوۂ سینا لئے ہوئے

پھر جا رہا ہوں کوچۂ دلدار کی طرف اشکوں میں آب و تابِ تمنّا لئے ہوئے

اُف! ساکنانِ شہرِ خموشاں کی غفلتیں سوئے ہوئے ہیں وعدۂ فردا لئے ہوئے

گردن جھکائے بیٹھے ہیں پیشِ حریمِ ناز آنکھوں میں آرزوئے تماشا لئے ہوئے

آجائیے کبھی تو سرِ بزمِ میکشاں ہر سانس میں سرور کی دنیا لئے ہوئے

اللہ کس کے رُخ سے یہ پردہ اُلٹ گیا ہے ذرّہ ذرّہ دیدۂ بینا لئے ہوئے

رونق فروزِ محفلِ رنداں میں ہے کوئی موجِ نظر میں نشۂ صہبا لئے ہوئے

احساںؔ دیکھیں حشر میں کیا دل لگی رہے
ہم بھی چلے ہیں شوقِ تماشا لئے ہوئے

بس رہا ہے عطر میں پیراہنِ بادِ نسیم — کیا کہیں اس کی رسائی آپ کی محفل میں ہے

ان کے جاتے ہی فضا پر چھا گیا رنگِ جنوں — آہ ویرانی سی ویرانی مری محفل میں ہے

پوچھنے والے مآلِ حسرت و ارماں نہ پوچھ — پہلے دل میں تھی وہ محفل اب مزارِ دل میں ہے

جستجوئے دوست میں شب زندگی حیراں کہاں؟ — ذرہ ذرہ اک چراغِ آرزو منزل میں ہے

پھر مرا دل بن گیا ہے شورشِ آبادِ حیات — پھر وہی پروردگارِ آرزو محفل میں ہے

لب پہ نالہ آنکھ میں آنسو جگر میں سوزِ غم — دیکھ میری حسرتوں کی جان کس مشکل میں ہے

اٹھ رہا ہے دل میں اک گردابِ دردِ بیکسی — کشتیٔ امید کس دریائے بے ساحل میں ہے

رونے والے! رو چکا، بس اب ذرا گردن اٹھا — وہ تمنائے نظر خمیازہ کشِ محفل میں ہے

داستانِ ضبطِ غم ہے ہچکیوں کا سلسلہ — دل کو لے کر اچھلتا ہے جو نالہ دل میں ہے

ہے کوئی بزمِ خرد میں آئے دے اس کا جواب — کون پوشیدہ حریمِ اضطرابِ دل میں ہے؟

غش پہ غش کھا کھا کے گرتی ہے نگاہِ جستجو
کوئی تو احسان آخر پردۂ محمل میں ہے

لطفِ سجود ہو چکا کیف کہاں نماز میں ہو گئی گم نگاہِ شوق جلوۂ کعبہ ساز میں

راہِ حرم سے بیخودی کھینچ ہی لائی سوئے دَیر لے تو چلی تھی بیدلی دامِ گہِ نیاز میں

پھر وہی قلبِ عشق میں ذوقِ کلیم جاگ اُٹھا کوندر رہی ہیں بجلیاں چشمِ نظارہ باز میں

دل پہ برس برس پڑا ابرِ شرابِ ارغواں ہائے وہ سُرخ سُرخ سے خطوط دیدۂ نیم باز میں

تابِ نظارہ ہو نہ ہو رُخ سے نقاب اُٹھا بھی دے جلوۂ صد حیات ہے ایک نگاہِ ناز میں

مسلکِ شیخ و برہمن شیوۂ بندگی نہیں دیکھ روانِ دو الٰہ ہو وادئ امتیاز میں

جھوم رہی ہیں ٹہنیاں جھول رہی ہیں کونپلیں اُف رے سرور گستری خلوتیانِ راز میں

سُن کہ اذانِ صبح ایک فلسفۂ شعور ہے رافتِ بے نیاز ہے زمزمۂ نیاز میں

جان کا کیا ہے جائیگی، موت کا کیا ہے آئیگی
کیوں رہے شرحِ زندگی حلقۂ دامِ راز میں

جو مدعائے دلی لطفِ سوز و ساز رہے تو کس کو شیخ و برہمن کا امتیاز رہے

صنمکدہ ہو، حرم ہو، کہ پائے ساقی ہو غرض کہیں نہ کہیں خم سرِ نیاز رہے

سرِ نیاز کا کیا ہے رہا رہا نہ رہا دُعا یہ ہے کہ ترا آستانِ ناز رہے

ابھی رموزِ غمِ عشق آشکار نہ کر حقیقتوں پہ ابھی پردۂ مجاز رہے

تمھاری گرم نگاہی سے دُور ہی کیا ہے کہ سنگِ در میں بھی سوزِ جبیں گداز رہے

تمھاری عشوہ طرازی کا راز کھُل جائے جبیں میں ضبط اگر سجدۂ نیاز رہے

دُعا بھی ہے مرے مشرب میں خامیٔ ایماں جو بے نیاز کا بندہ ہے بے نیاز رہے

جہانِ عشق میں یہ طرفہ ماجرا دیکھا جو پائمالِ مصائب تھے سرفراز رہے

ہزار حسن نے ایماں خریدنا چاہا!
جو پاکباز تھے احسانؔ پاکباز رہے

فرقت کی شب تغیّرِ عالم کے خوف سے کرتا ہوں ضبط آہ قیامت نما کو میں

کب تک رہوں چھپائے ہوئے ای ہجومِ ضبط! زیرِ نگاہ جلوۂ آتش قبا کو میں

جینے سے کچھ نشاط نہ مرنے کا کچھ الم اک کھیل جانتا ہوں فنا و بقا کو میں

پھر آرزو ہے دُول انہیں ترغیبِ انحراف درد آشنا کروں دلِ حُسن آشنا کو میں

آنسو نکل کے روح کو ہوتی ہے انبساط تجدیدِ زندگی نہ کہوں کیوں قضا کو میں

جی چاہتا ہے نغمۂ منصور چھیڑ کر
دیکھوں دیارِ دار و رسن کی فضا کو میں

تمام شُد

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام جناب احسان بن دانش پرنٹر پبلشر چھپکر فردوستان بک ڈپو مزنگ لاہور سے شائع ہوئی

"خودساز"

مرتّبہ توقیر طاہر گنگوہی

اس کتاب میں ہندوستان کے شاعرِ مزدور جناب احسان دانش کی زندگی کے بصیرت افروز حالات ہیں۔ ہمیں قوی اُمید ہے کہ اس کے مطالعہ سے ملک کے بچوں اور نوجوانوں میں خود سازی کی اُمنگ پیدا ہوگی اور مصائب زدہ لوگ اسے پڑھکر اپنے رگ و ریشہ میں ایک برقی قوّت کا سا اثر محسوس کریں گے۔ یہ خوددار اور سخت جان نوجوان زندگی کے ایسے حوصلہ شکن مراحل سے گذرا ہے اور حادثات کے ان مہیب طوفانوں سے مُسکراتا ہوا نکلا ہے کہ اس کی زندگی ماؤں کے لئے درسِ فرائض۔ بچوں کے لئے معلّمِ اخلاق اور جوانوں کے لئے رہنمائے ترقی کا حکم رکھتی ہے۔

اس شخص نے ثابت کردیا ہے کہ قابلیت کے لئے ڈگریوں، تجارت کے لئے سرمایہ اور ترقی کے لئے جھوٹی خوشامدوں کی ضرورت نہیں بلکہ محنت اور دیانت میں انسانی بلندی کا راز ہے

قیمت ایک روپیہ

مکتبہ دانش۔ کاندھلہ ضلع مظفرنگر (یو۔ پی)

خضرِ عروض

از حضرت احسان دانش، یہ کتاب علم عروض کی ان الجھنوں اور پیچیدگیوں کا حل ہے جن میں مبتدیانِ شاعری بھٹکتے رہتے ہیں اس میں فنِ عروض کے نکات کو ایسے سلیس اور عام فہم انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک سرسری مطالعہ سے ہی ہر انسان مشکل سے مشکل بحر کی تقطیع کر لیتا ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے ۸؍

لعل و گہر

از جناب نفیس قیصر طاہر۔ مختلف قدیم و جدید شعراء کے ان اشعار کا انتخاب جنہیں نشتر کہا جا سکتا ہے اور روح ہیں شاعری کی، قیمت صرف آٹھ آنے ۸؍

ملنے کا پتہ: مکتبۂ دانش۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر (یو۔ پی)

گورِستان

از حضرت احسان دانش، یہ نظم جناب احسان نے اپنی والدہ کی وفات سے متاثر ہو کر کہی ہے جو کتابی صورت اختیار کر گئی ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ اس مصوّرِ غم نے اس نظم میں کیا کہا ہو گا۔ قیمت ۶ر

روشنیاں

یہ جناب احسان دانش کے وہ اقوال زرّیں ہیں جو انھوں نے اپنے مخلص دوستوں سے گفتگو کرتے وقت فلاح و بہبود، حسن عشق، زندگی اور محنت، دوستی اور دشمنی اور دیگر معاشرت کے ضروری شعبوں کے متعلق آزادہ روی سے بیان کئے ہیں جناب راج بلدیو صاحب ایم۔ اے۔ ٹی۔ اے نے انھیں بڑی محنت سے جمع کر کے ایکجا کر دیا ہے یہ اقوال ہر شخص کی زندگی کیلئے چراغِ راہ ثابت ہونگے قیمت صرف آٹھ آنے ۸ر

ملنے کا پتہ :- مکتبۂ دانش، کاندھلہ ضلع مظفر نگر (یو۔ پی)

نوائے کارگر

ملک کے مایۂ ناز شاعر حضرت احسان دانش کی کلام کا قابل دید مجموعہ

کون نہیں جانتا کہ آج ملک اور قوم کو جس شاعری کی ضرورت ہے، اُسے فطرت نے احسان کا حصّہ کر دیا ہے مشاعروں میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کے کلام کی داد تھرتھراتے ہوئے ہونٹوں، برستی ہوئی آنکھوں اور بھرائی ہوئی آوازوں سے ملتی ہے۔ احسان صحیح معنوں میں فطری شاعر ہے اور الفاظ میں ایسی مصوری کرتا ہے کہ وہ جس ماحول سے متاثر ہو کر شعر کہتا ہے اپنے سامعین اور ناظرین کو بھی اُسی فضا میں گم کر دیتا ہے اس کتاب کی اکثر دردانگیز نظموں اور خصوصاً نسوانی معاشرت کے بیمار پہلوؤں کی منظر کشی میں تو احسان اس قدر بلند ہو گیا ہے کہ ہر نظم شاعرانہ قدرت کا شاہکار معلوم ہوتی ہے۔ قیمت غیر مجلّد دو روپے عـہ۔ مجلّد دو روپے آٹھ آنے عـہ۸

ملنے کا پتہ مکتبۂ دانش، کاندھلہ ضلع مظفر نگر (یو۔پی)

جادۂ نو

یہ کتاب قطعات کا مجموعہ ہے۔ اردو میں نہ آج تک اس انداز کے قطعات پائے جاتے ہیں اور نہ اس آرٹ کا کوئی ذخیرہ موجود ہے اس جدت پسند اور حساس شاعر نے ان قطعات میں سیکڑوں مختلف مناظر اور معاشرت کے بیمار پہلوؤں کو تشبیہی عمل سے چولی دامن کیا ہے یوں تو احسان اوّل ہی سے فطرت نگاری میں یگانۂ روزگار ہے لیکن ان قطعات میں تو اس کی یہ خصوصیت معراجِ کمال پر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہر تندرست دماغ یہ محسوس کریگا کہ اگر احسان عمر بھر میں اسی ایک کتاب کی صورت میں اپنا نقش حیات چھوڑتا تو بھی یہ اس کو اہل فن کی نگاہوں میں محترم اور تاریخی حیثیت سے زندۂ جاوید کرنے کے لئے کم نہ تھی۔ قیمت غیر مجلّد ۸ ر مجلّد ۱۲ ر

آتشِ خاموش

ہندوستان کے مزدور شاعر احسان دانش کی شعلہ آفریں نظموں اور جنون نواز غزلوں کا مجموعہ ہے شاعر نے فاقہ کشی کے الم پرور مناظر محنت اور سرمایہ داری کے خونچکاں مرقعے، پامال انسانیت کے دردانگیز خاکے اور دولتمندی کے بیدار کن مظالم اس خلوص اور دیانت سے پیش کئے ہیں کہ ہر نظم خوابیدہ غیرت کو بیدار کر دیتی ہے۔ "آتشِ خاموش" کے ہر شعر پر ناتواں سے ناتواں انسان کا خون جوش کھانے لگتا ہے اور کمزور سے کمزور ہستی آزادی کی جدوجہد کیلئے بیتاب ہو جاتی ہے۔

قیمت غیر مجلّد ایکروپیہ مجلّد ایکروپیہ آٹھ آنے عہ

ملنے کا پتہ

مکتبۂ دانش، کاندھلہ ضلع مظفر نگر (یو۔پی)

چراغاں

اُردو ادب کا تازہ ترین شاہکار۔ حضرت احسان دانش کی شاعری کے متعلق اتنا کہدینا کافی ہے کہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں محسوس کر کے کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری کا مبہم سے مبہم اشارہ اور ہلکی سے ہلکی آواز ناظرین و سامعین کے رگ و ریشہ میں تیر جاتی ہے۔ احسان کو قدرت نے وہ نکتہ یاب تخیل عطا فرمایا ہے کہ اس کی حقیقی نقاشی، اخلاقی دیانت، نزاکتِ احساس، جذبات نگاری کے سامنے زبانِ تنقید سے تحسین ہی نکلتی ہے۔

قیمت صرف ایکروپیہ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ

مکتبۂ دانش، کاندھلہ۔ ضلع مظفر نگر (یو۔پی)

یہ کتاب قطعات کا مجموعہ ہے اردو میں آج تک اس انداز کے قطعات پائے جاتے ہیں ورنہ اس آرٹ کا کوئی ذخیرہ موجود ہے اس جدت پسند اور حساس شاعر نے ان قطعات میں سینکڑوں مختلف مناظر اور معاشرت کے بیمار پہلوؤں کو تشبیہی عمل سے چولی دامن کیا ہے۔ یوں تو **احسان** اول ہی سے فطرت نگاری میں یگانۂ روزگار ہے لیکن ان قطعات میں تو اس کی یہ خصوصیت اپنی معراج پر ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے ہر تندرست دماغ یہ محسوس کریگا کہ اگر **احسان** عمر بھر میں اسی ایک کتاب کی صورت میں اپنا نقشِ حیات چھوڑتا تو بھی اس کو اہلِ فن کی نگاہوں میں محترم اور تاریخی حیثیت سے زندۂ جاوید کر دینے کیلئے کم نہ تھی قیمت [illegible]

پتہ:- مکتبہ دانش مزنگ لاہور

جادۂ نَو
یہ کتاب قطعات کا مجموعہ ہے اُردو میں آج تک اِس انداز کے
قطعات پائے جاتے ہیں اور نہ اِس آرٹ کا کوئی ذخیرہ موجود ہے
اِس جدّت پسند اور حسّاس شاعر نے اِن قطعات میں سینکڑوں
مختلف مناظر اور معاشرت کے ہمہ گیر پہلوؤں کو تشبیہی عمل سے
چولی دامن کیا ہے۔ یُوں تو احسان اول ہی سے فطرت نگاری
میں یگانۂ روزگار ہے لیکن ان قطعات میں تو اِس کی یہ خصوصیت
اپنی معراج پر ہے۔
اس کتاب کے مُطالعہ سے ہر تندرُست دماغ یہ محسُوس کریگا کہ
اگر احسان عُمر بھر میں اسی ایک کتاب کی صُورت میں اپنا
نقشِ حیات چھوڑتا تو بھی اِس کو اہلِ فن کی نگاہوں میں محترم
اور تاریخی حیثیت سے زندۂ جاوید کر دینے کیلئے کم نہ تھی قیمت ۱۲
پتہ :- مکتبہ دانش مزنگ لاہور